هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ

رجسٹرڈ ایل نمبر ۲۲۹۶

ایڈیٹر: میر قاسم علی احمدی

فاروق

تحریک جدید کا اخبار

قادیان

شرح چندہ پیشگی
سرپرستان - معاونین - چندہ عام - ششماہی - بیرون ہند
قیمت فی پرچہ ایک آنہ۔ منیجر: [illegible]

تاریخہائے اشاعت:۔ ہر انگریزی ماہ کی ۷-۱۴-۲۱-۲۸

Digitized by Khilafat Library Rabwah

جلد ۲۴ | قادیان دارالامان مورخہ ۲۹ محرم الحرام ۱۳۵۸ھ مطابق ۲۱ مارچ ۱۹۳۹ء | نمبر ۱۱

دارالامان کا ہفتہ

(۱) سیدنا امیر المؤمنین حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی صحت ہفتہ زیر اشاعت میں خدا کے فضل سے اچھی رہی اور حضور ۱۷ مارچ کو بعد نماز عصر بسواری موٹر سندھ جانے کے لئے لاہور کو روانہ ہو گئے۔ حضور کے ہمراہ حرم اول اور کارکنان میں سے خانصاحب مولوی فرزند علی ناظر بیت المال ہیں خدا تعالےٰ خیریت سے رکھے۔ اور سلامتی سے واپس لائے۔ مقامی امیر مولوی شیر علی صاحب کو حضور نے مقرر فرمایا۔

(۲) حضرت ام المؤمنین مدظلہا العالی کی طبیعت بدستور ناساز ہے۔ احباب دعائے صحت و درازئ عمر کر کے ثواب حاصل کریں۔

(۳) قادیان میں احرار کی نئی ہنگامہ خیزی

ستم ہی کئے جاؤ ہم بھی ہیں حاضر
ہمیں حوصلہ دیکھنا ہے کسی کا

۱۷ مارچ کو احمدیہ عیدگاہ کے متصل صدر انجمن احمدیہ کی زمین خسرہ ۳۶۱ واقع ہے۔ فتنہ پردازان احرار نے جمعہ سے دو گھنٹہ پیشتر شہر میں منادی کرائی۔ کہ آج وہاں کی قبروں پر مٹی ڈالی جائے گی۔ جو لوگ قید و بند کی فکر سے آزاد ہوں۔ وہ چلیں۔ مقصود اس زمین ۳۶۱ پر قبضہ کرنا تھا۔

چنانچہ عمر دین نامی خوجہ باشندہ قادیان نے جو امرتسر کے کسی مدرسہ میں ملازم ہے۔ امرتسر سے آکر احراریوں کی مسجد میں پبلک کو اکسایا۔ اور نماز جمعہ میں ہی خوب اشتعال دلایا گیا۔ جس کی وجہ سے بعد نماز جمعہ مقامی غیر احمدی اور باہر سے آئے ہوئے چند فتنہ انگیز احرار جمع ہو کر عیدگاہ کو چلے۔ علاقہ مجسٹریٹ احرار کے اس منصوبہ سے اطلاع پا کر اور انچارج تھانہ بٹالہ اور پولیس گارد موقعہ پر پہلے ہی پہنچ گئے ہوئے تھے۔ چنانچہ ۳ نفر زیر دفعہ ۱۰۷ احرار کے لشکر جرار سے گرفتار کر لئے گئے۔ تو باقی بہادر اس پکڑ دھکڑ کو دیکھتے ہی منتشر ہو گئے۔

(۴) بعض سکھوں کی طرف سے مداخلت بیجا کا اعلان اور نیشنل لیگ کا اس کے خلاف احتجاجی جلسہ

بعض سکھ بھائیوں نے ایک اعلان کیا ہے۔ کہ حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ اور حضور کے برادران گرامی کی جو ایک مقبوضہ اور مملوکہ اراضی قادیان میں ہے۔ اور اس کے متعلق عدالت نے حکم امتناعی جاری کر رکھا ہے۔ اس زمین پر مداخلت کر کے ۲۳ مارچ کو وہاں دیوان (اپنا جلسہ) کریں گے۔ اس اعلان کے خلاف ۱۹ مارچ کو نیشنل لیگ قادیان نے بعد نماز عشاء مسجد اقصیٰ میں زیر صدارت مکرمی مرزا عبد الحق صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی صدر آل انڈیا نیشنل لیگ غیر معمولی ایک احتجاجی جلسہ کیا۔ جس میں علاوہ صاحب صدر کے مکرم شیخ محمود احمد صاحب عرفانی اور محترم شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ اور میاں عطاء اللہ صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل بی نے تقریروں میں سکھوں کو قیام امن کی تحریص اور پابندئ قانون کی تحریک کر کے قانون شکنی اور بے جا مداخلت کرنے کی ممانعت کی۔ بصورت ثانی یہ اعلان کیا گیا۔ کہ اگر مندرجہ بالا گذارشات پر توجہ نہ کی گئی تو مجبوراً جماعت احمدیہ خالصہ بھائیوں کی اس بیجا مداخلت اور زبردستی کو روکنے کے لئے پوری طرح تیار ہو گی۔ اور ہر احمدی اس کے لئے ہر ممکن قربانی کرنا اپنا فرض سمجھیگا۔ جس پر حاضرین نے نعرہ ہائے تکبیر کے ساتھ لبیک کہا۔ اور جلسہ بعد دعا ختم ہؤا۔

درخواستہائے دعا

شیخ فضل حسین صاحب بوٹ مرچنٹ قادیان کی اہلیہ صاحبہ جو بخار میں مبتلا ہیں اور حکیم محمد یعقوب صاحب فیضی نجیب آبادی زیادہ سخت بیمار ہیں۔ احباب ان کی صحت و سلامتی کے لئے اور مکرم سید احمد زمان شاہ صاحب سب انسپکٹر پولیس کی جو آج کل ہنگو ضلع کوہاٹ میں امتحان دے رہے ہیں۔ امتحان میں اعلےٰ کامیابی کے لئے احباب دعا فرما کر ثواب حاصل کریں۔

احرار گرفتار

(۱) ملا عنایت اللہ احراری مقیم قادیان کے خلاف حکومت کی طرف سے زیر دفعہ ۱۰۸ ایک مقدمہ دائر تھا۔ جس میں ملّا مذکور سے چھ ماہ کے لئے نیک چلنی کی ضمانت لی گئی۔

(۲) محمد حیات احراری کو جس نے قادیان میں پچھلے دنوں حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اور جماعت احمدیہ کے خلاف اشتعال انگیز تقریریں کی تھیں۔ زیر دفعہ ۱۵۳ الف مجسٹریٹ علاقہ کی عدالت سے ۲۸ فروری کو ۲ ماہ قید کی سزا ہوئی۔

یاد رکھیں

اس ہفتہ دو جمعہ کے خطبے ملے۔ اسلئے دونوں اس پرچہ میں شائع کر دیئے ہیں۔ اور بجائے ۱۲ کے یہ ۱۶ صفحہ کا پرچہ شائع ہؤا ہے۔ اگلا پرچہ ۸ صفحہ کا ہوگا۔ جسمیں ۳ مارچ کا خطبہ جمعہ ہوگا۔ احباب یاد رکھیں۔ (منیجر فاروق)

Digitized by Khilafat Library Rabwah

سلسلہ کی خبریں

لاہور۔ امرتسر۔ اور بٹالہ ہر سہ شہروں کی جماعتوں کو ضروری اطلاع

خلافت جوبلی فنڈ کی مرکزی کمیٹی نے لاہور۔ امرتسر اور بٹالہ ہر سہ شہروں کی جماعتوں سے خلافت جوبلی فنڈ کے وعدے لینے اور وصولی کرنے کی نگرانی کا کام خاکسار کے سپرد کیا گیا ہے۔ اور میری مدد کے لئے منشی محمد الدین صاحب ملتانی مختار عام صدر انجمن احمدیہ کو میرے ساتھ لگایا گیا ہے۔ اس اعلان۔ کے ذریعہ میں ہر سہ شہری جماعتوں کے ممبران اور کارکنان اور افسران متعلقہ سے گذارش کرتا ہوں۔ کہ وہ اچھی طرح مطلع ہو جاویں۔ کہ شہر لاہور کے ذمہ مرکزی کمیٹی نے خلافت جوبلی فنڈ کا چندہ ستائیس ہزار ۲۷۰۰۰ روپیہ اور امرتسر شہر کے ذمہ چار ہزار روپیہ اور بٹالہ شہر کے ذمہ ایک ہزار روپیہ لگایا ہے۔ اور یہ مطابق اس قاعدہ کے ہے۔ جس کی رو سے اور باقی تمام جماعتوں سے یہ چندہ وصول کیا جا رہا ہے۔ اور اس میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں ہو سکتی۔ میرے اس اعلان کو پڑھتے ہی تینوں شہروں کے متعلقہ کارکن اپنے اپنے حلقہ کے تمام احمدیوں سے وعدوں کی فہرست بھجوا دیں۔ تاکہ میں دیکھ سکوں۔ کہ وہ وعدے مطابق قاعدہ کے ہیں یا نہیں۔ نیز اب وصولی بھی مکمل ہو جانی چاہیئے۔ والسلام۔ (ناظر ضیافت)

احباب جماعت کی خدمت میں ایک ضروری گذارش

جماعتیں اپنے سالانہ بجٹ اپریل ۳۹ء تک پورا کرنے کی کوشش کریں

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے فرمایا۔ کہ ”آپ لوگ پہلی ہی جماعت نہیں ہیں۔ جن کو خدا کے لئے قربانیاں کرنی پڑی ہیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ رضؓ سے فرماتے ہیں۔ تم سے پہلے لوگوں کو دین کے لئے آروں سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا گیا۔ اور انہوں نے اُف تک نہ کی۔ صحابہ رضؓ کا نمونہ آپ لوگوں کے سامنے ہے۔ انہوں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے خلفا کو جس اخلاص سے سُنا۔ اور اس پر عمل کیا۔ تاریخ کے صفحات اس پر شاہد ہیں۔ بندوں کی شہادت کے سوا خدا تعالیٰ کی شہادت بھی ان کو حاصل ہے۔ فرماتا ہے۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ خدا ان سے راضی ہو گیا۔ اور وہ خدا سے راضی ہو گئے۔

”آج وہی بوجھ آپ لوگوں کے کندھوں پر رکھا گیا ہے۔ وہی امانت آپ کے سپرد کی گئی ہے۔ اور آپ کی کمزوری کو دیکھ کر اللہ تعالے نے اس بوجھ کو لمبے زمانہ میں پھیلا دیا ہے۔“

”مگر کیا آپ نے اس بوجھ کو اٹھانے کے لئے پوری تیاری کی ہے۔ یہ سوال ہے جس کا جواب اگر آپ اپنے ایمان کو بچانا چاہتے ہیں۔ آپ کو فوراً دینا چاہیئے۔“

”یہ بڑھتا ہوا بوجھ گذارہ میں سخت تنگی کے بغیر نہیں اٹھایا جا سکے گا۔ پس جو چاہتا ہے کہ اس امتحان میں کامیاب ہو۔ اسے چاہیئے۔ کہ اپنے بیوی بچوں کو اپنا ہم خیال بنائے۔ اور اپنے خرچوں میں تنگی کرے۔ تاکہ یہ بوجھ اٹھ سکے۔ جو لوگ ایسا نہ کریں گے۔ وہ اپنی ناکامی پر اپنے ہاتھوں سے مہر لگائیں گے۔ العیاذاً باللہ۔“

نیز فرمایا:۔ ”رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مومن کا راستہ پلصراط قرار دیا ہے۔ جو جہنم پر بندھا ہوا ہے۔ جس کے یہ معنی ہیں۔ کہ اس پل پر جو ٹھہرا۔ سیدھا جہنم میں گیا۔ یہ کیسا خطرناک انجام ہے۔ یہ کیسا بھیانک خاتمہ ہے۔ خدا اس سے ہر شخص کو محفوظ رکھے۔ آمین۔“

یہ اقتباسات حضور کے ”پیام امام جماعت احمدیہ کے نام“ سے لئے گئے ہیں۔ جو اخبار الفضل کے کئی پرچوں میں چھپ چکا ہے۔ یہ ارشادات کسی مزید توضیح کے محتاج نہیں۔

احباب نے علاوہ عام چندوں یا وصیتوں کے تحریک جدید اور جوبلی کے چندے بھی اپنے اوپر واجب کئے ہیں۔ ان سب چندوں کو ملا کر یہ سال مالی قربانی کے لحاظ سے سخت امتحان کے سال ہیں۔ اس امتحان میں وہی کامیاب ہو سکتا ہے۔ جس نے حضور کے ارشاد کے بموجب سخت تنگی میں گذارہ کرنے کا تہیہ کر لیا ہو۔ اور اپنے اہل وعیال کو بھی اپنا ہم خیال بنا لیا ہو۔

”مالی سال کے ختم ہونے میں بہت کم وقت رہ گیا ہے۔ مگر اس وقت بھی بہت جماعتوں کی طرف بقائے ہیں۔ اس لئے حضور کے ارشاد کی طرف توجہ دلاتے ہوئے جملہ احباب جماعت وعہدہ داران جماعتہائے مقامی کو تاکید کی جاتی ہے۔ کہ وہ اپنے بقایوں کے صاف کرنے میں ابھی سے سخت جدوجہد شروع کر دیں۔ تاکہ ۳۰ اپریل ۱۹۳۹ء کے بعد نظارت ہذا زیادہ سے زیادہ بجٹ پورا کرنے والی جماعتوں کے نام حضور کی خدمت مبارک میں بغرض دعا پیش کر سکے۔ اللہ تعالے آپ کا حامی وناصر ہو۔ آمین۔

عہدہ داران جماعت مقامی کی ذمہ واری

جملہ مقامی جماعتہائے احمدیہ واحباب جماعت کی خدمت میں ضروری التماس

اللہ تعالے کے فضل سے سلسلہ عالیہ احمدیہ کے مالی سال ۳۸-۱۹۳۹ء کے ختم ہونے میں صرف دو ماہ باقی رہ گئے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے۔ کہ تمام جماعتوں کے بقائے ۳۰/۴/۳۹ تک صاف ہو جائیں۔ نوماہی بجٹ کے پورا کرنے والی جماعتوں کی فہرست اس سے قبل الفضل مجریہ ۲/۲۴/۳۹ میں شائع کی جا چکی ہے۔ اس کا مطالعہ کر لیا جاوے۔ اور دیکھ لیا جاوے۔ کہ آپ کا یا آپ کی جماعت کا نام اس فہرست میں شامل ہے یا نہیں۔ اگر نہ ہو۔ تو کوشش کریں۔ کہ سال کے اختتام پر جو فہرست بجٹ پورا کرنے والی جماعتوں کی حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے حضور دعا کے لئے پیش کی جاویگی۔ اس میں آپ کی جماعت کا نام بھی آ جائے۔ تا آپ بھی حضور کی دعائیں۔ اور خوشنودی حاصل کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی وناصر ہو۔ آمین

احباب اپنا روپیہ بجائے ڈاکخانہ یا بنک وغیرہ کے صدر انجمن احمدیہ کے خزانہ میں جمع کرائیں

مجلس مشاورت منعقدہ اکتوبر ۱۹۳۶ء میں حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز نے اس خواہش کا اظہار فرمایا تھا۔ کہ جن احباب کے پاس مخصوص اغراض مثلاً تعمیر مکان۔ خرید اراضی۔ بیاہ شادی یا تعلیم وغیرہ کی غرض کے لئے کچھ روپیہ جمع ہو۔ اور ان کو اس روپیہ کے خرچ کرنے کے لئے فوری ضرورت نہ ہو۔ ان کو چاہیئے۔ کہ بجائے اپنے پاس رکھنے کے یا ڈاکخانہ یا بنک میں جمع کرانے کے صدر انجمن احمدیہ کے خزانہ میں بطور امانت ذاتی جمع کرا دیں۔ یہ روپیہ جب انہیں ضرورت ہو۔ خزانہ سے واپس لیا جا سکتا ہے۔ اور واپسی روپیہ کا خرچ ترسیل زر تا اطلاع ثانی خزانہ سے ادا کیا جاوے گا۔

حضور نے فرمایا تھا۔ کہ ” اگر اس طریق پر عمل کیا جاوے۔ تو ایک دو لاکھ نہیں۔ میں سمجھتا ہوں۔ دس پندرہ بیس لاکھ روپیہ جمع ہو سکتا ہے۔ ..... اگر اس مد میں روپیہ جمع نہ ہو۔ تو میں یہ نہیں مانوں گا۔ کہ دوستوں کے پاس روپیہ نہیں۔ بلکہ یہ سمجھوں گا۔ کہ اس طرف توجہ نہیں کی گئی۔“

گو بہت سے احباب نے حضور کے ان ارشادات کی تعمیل میں اپنے حسابات کھلوائے ہیں۔ اور اپنا فالتو روپیہ صدر انجمن کے خزانہ میں جمع کروا دیا ہے۔ مگر یقین ہے۔ کہ بہت سے دوست ابھی باقی ہیں۔ جنہوں نے اس طرف توجہ نہیں فرمائی۔ پس ایسے دوستوں کی خدمت میں التماس ہے۔ کہ وہ صدر انجمن احمدیہ کی مالی مدد کرنے اور مفت ثواب حاصل کرنے کے آسان طریقہ پر خود بھی عمل پیرا ہوں۔ اور دوسرے احباب کو بھی اس تحریک سے آگاہ کریں۔ اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دیں۔ قواعد امانت ذاتی دفتر ہذا سے طلب فرماویں۔ (ناظر بیت المال)

اعلان نکاح

مولوی محمد اسمٰعیل صاحب ذبیح کے برادر اکبر چودھری عبد الکریم صاحب موضع بھر تھانوالہ ضلع سیالکوٹ کا نکاح بعوض تین سو روپیہ مہر رابعہ بیگم بنت منشی دیانت خاں صاحب مہاجر قادیان سے ۶ مارچ ۱۹۳۹ء کو ..... حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ نے بمسجد مبارک میں پڑھا۔ خدا مبارک کرے۔ آمین۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فــــــاروق

Digitized by Khilafat Library Rabwah

قادیان دارالامان مورخہ ۲۹ محرم الحرام ۱۳۵۸ھ مطابق ۲۱ مارچ ۱۹۳۹ء

خطبہ جمعہ مورخہ ۱۷ فروری ۱۹۳۹ء

خدام الاحمدیہ لوگوں میں قومی۔ تجارتی۔ اخلاقی دیانت پیدا کریں

نوجوانوں کو سچ بولنے کی عادت ڈالیں اور ان سے اقرار لیں کہ وہ سچ بولینگے

فرمودہ حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ

سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-
میرا

آج کا خطبہ

بھی گذشتہ دو خطبات کے سلسلہ میں ہی ہے۔ مگر پیشتر اسکے کہ میں اصل مضمون کو شروع کروں۔ میں قادیان کے خدام احمدیہ کو اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ کہ وہ مختلف مساجد کے

مؤذنوں کی اذانیں درست کرائیں

بعض جگہ پر بلاوجہ مؤذن عربی عبارت کا الیا ستیاناس کر دیتے ہیں۔ کہ واقف آدمی کے کانوں پر وہ بہت ہی گراں گذرتا ہے۔ میں نے کئی دفعہ اس طرف توجہ دلائی ہے۔ مگر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ کہ ابھی تک اس طرف توجہ نہیں ہوئی۔ جن حروف کا ادا کرنا ہمارے لئے مشکل ہے۔ ان کے متعلق ایک پنجابی سے یہ امید رکھنا۔ کہ وہ اہل عرب کے لہجہ کو ادا کرے۔ بالکل غلط ہے۔ اور میں اس پر زور نہیں دیتا۔ میں صرف اس حصہ کی

درستی کا مطالبہ

کرتا ہوں۔ جس حصہ کی درستی ہمارے اختیار میں ہے۔ اور باوجود اختیار میں ہونے کے اسکی درستی کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ تو خدام احمدیہ کو چاہیئے۔ کہ وہ اپنے میں سے پانچ سات نوجوانوں کو جو

عربی تعلیم سے واقف

ہوں۔ اذان کے الفاظ سے اچھی طرح واقفیت کرا دیں۔ اس کے بعد مختلف مساجد میں (اور کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ یہ لوگ ایسے ہی ہوں۔ جن کا تعلق مختلف مساجد سے ہو) ان کو یہ خیال رکھنا چاہیئے۔ کہ جو باقاعدہ مؤذن ہیں۔ ان کی اذانوں کی اصلاح کریں۔ اور دوسرے لوگ بھی جو باقاعدہ مؤذن نہیں۔ اگر ان کی کوئی غلطی دیکھیں۔ تو انہیں ٹوک دیا کریں۔ تا کہ انہیں اپنی اصلاح کا خیال پیدا ہو۔ مثلاً ابھی جو اذان ہوئی ہے۔ اس کے بعد مؤذن نے حیّ کے بعد اتنا

لمبا الف

استعمال کیا ہے۔ جو نہ تو جائز ہے۔ اور نہ ہی اسکی کوئی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر عام پنجابی لہجہ یہی طریق اختیار کرتا ہے۔ اور پنجابی مؤذن حیّ نہیں بلکہ حیّا کہتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے شاید اس طرح آخر میں الف زاید کر دینے اور اسے لمبا کر دینے سے آواز اونچی ہو جاتی ہے۔ حالانکہ عرب لوگ بھی اذان دیتے ہیں۔ اور وہ بغیر حیّا کہنے کے کام چلا لیتے ہیں۔ بایں ہمہ ان کی آوازیں اتنی بلند ہوتی ہیں۔ اور ان کی اذان اپنی ذات میں ایسی

مسرت انگیز آواز

کی حامل ہوتی ہے۔ کہ وہ ایک شیریں راگ کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ مکہ مکرمہ میں چن کر مؤذن مقرر کئے جاتے ہیں۔ اور میں نے دیکھا ہے۔ اذان دیتے وقت ان کی آوازیں اتنی دلکش اور لطیف ہوتی ہیں۔ کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ انسان اس آواز کے ساتھ ہی زمین سے اٹھ کر آسمان کی طرف جا رہا ہے۔ تو حقیقت یہ ہے۔ کہ اس لفظ کی خوبصورتی الف چھوڑ دینے میں ہے۔ اس کے استعمال کرنے میں نہیں۔ اور جب الف اس لفظ میں ہے ہی نہیں۔ تو اس کے استعمال کرنے کے کوئی معنی ہی نہیں ہو سکتے۔ پس اگر وہ آئندہ کے لئے حیّ کے بعد الف استعمال نہ کیا کریں۔ تو میں سمجھتا ہوں۔ ان کی اذان پہلے سے بہت زیادہ خوبصورت ہو جائے۔ اسی طرح اور بھی بہت سے نقائص ہیں۔ جو ہمارے پنجاب میں بوجہ عربی زبان کی ناواقفیت کے اصرار سے چلتے چلے جاتے ہیں۔ اور میں خدام الاحمدیہ کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس نقص کی اصلاح کی کوشش کریں۔

اس کے بعد میں آج کے مضمون کو لیتا ہوں۔
گذشتہ خطبہ میں میں نے

خدام احمدیہ کے مقاصد

میں سے تین ضروری مقاصد کو لیا تھا۔ اور بتایا تھا۔ کہ ان کی طرف خصوصیت سے ان ایام میں انہیں توجہ کرنی چاہیئے۔ اور وہ یہ تھے۔ اول۔ انہیں اپنے ممبروں کے اندر اور دوسری جماعت کے اندر بھی قومی روح پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اور جماعتی کاموں کے لئے قربانی کا مادہ پیدا کرنا چاہیئے۔ یہ پہلا مقصد ہے۔ جو انہیں ہمیشہ اپنے سامنے رکھنا چاہیئے۔

دوسری بات میں نے یہ کہی تھی۔ کہ اسلامی تعلیم سے واقفیت پیدا کی جائے۔

تیسری بات میں نے یہ کہی تھی۔ کہ آوارگی اور بے کاری کا ازالہ کیا جائے۔

اب میں چوتھی بات بیان کرتا ہوں۔ جو یہ ہے کہ اچھے اخلاق پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ اچھے اخلاق میں سے میں نے کئی دفعہ بیان کیا ہے۔ بہترین اخلاق جن کا پیدا کرنا کسی قوم کی زندگی کے لئے نہایت ضروری ہے۔ وہ

سچ اور دیانت

ہیں۔ اور بھی بہت سے اخلاق ہیں۔ مگر سچ اور دیانت نہایت اہمیت رکھنے والے اخلاق ہیں۔ جس قوم میں سچ پیدا ہو جائے۔ اور جس قوم میں دیانت آ جائے۔ وہ قوم نہ کبھی ذلیل ہو سکتی ہے۔ اور نہ کبھی غلام بنائی جا سکتی ہے سچائی اور دیانت دونوں کا فقدان ہی کسی قوم کو غلام بناتا ہے۔ ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ

ہندوستان کی غلامی

کا ہمیشہ رونا روتا رہتا ہے۔ لیکن اگر تم غور سے دیکھو۔ تو تمہیں معلوم ہو۔ کہ ہندوستان کی غلامی کا موجب انہی دو چیزوں کا فقدان ہے۔ تم ہندوستان کی تاریخ کو پڑھ جاؤ۔ اتنے بڑے وسیع ملک کا انگریزوں کے ماتحت آ جانا محض بددیانتی کی وجہ سے تھا۔ انگریزی فوجیں جو شروع زمانہ میں بعض دفعہ سینکڑوں کی تعداد سے زیادہ نہیں ہوتی تھیں۔ کبھی ہندوستان پر غالب نہیں آ سکتی تھیں۔ اگر ہندوستانیوں میں دیانت پائی جاتی۔ بعض دفعہ تو تاریخ پڑھ کر یوں معلوم ہوتا ہے۔ کہ گویا یہ ساری بات ہی جھوٹی ہے۔ اور عقل تسلیم نہیں کرتی۔ کہ مدراس کے ایک چھوٹے سے علاقہ میں اقامت پذیر چند سو انگریز ہندوستان کی بڑی بڑی طاقتوں اور حکومتوں کو زیر کرتے چلے جائیں۔

عقل اس کے باور کرنے سے انکار کرتی ہے

کیونکہ انسانی فطرت اس حد تک اخلاق کی گراوٹ کو تسلیم کرنا برداشت نہیں کرتی۔ جس قسم کی گراوٹ اس زمانہ میں ہندوستانیوں میں پائی جاتی تھی۔ کسی جگہ پر تو شہزادوں کو رشوت دے دی جاتی ہے۔ کہ اگر تم اپنے باپ یا بھائی سے بغاوت کرو۔ تو ہم تم کو اسکی جگہ گدی پر بٹھا دیں گے۔ اور وہ

بد دیانت اور ذلیل انسان

اس رشوت کو قبول کر لیتے ہیں۔ کسی جگہ وزراء کو یہ امید دلا دی جاتی ہے۔ کہ ہم تمہاری ایک ریاست قائم کر دیں گے۔ یا تم کو اس ریاست کا قبضہ دے دیں گے۔ یا اور کوئی بڑا عہدہ دے دیں گے۔ اور وہ ننگِ انسانیت اس رشوت کو قبول کر لیتے ہیں۔ اور انہی چالبازیوں

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کے ساتھ اور اپنی رشوتوں کے ذریعہ یورپین اقوام جو نہایت قلیل تعداد میں ہندوستان میں آئیں۔ ہندوستان کے ایک گوشہ سے

بھرے ہوئے بادل کی طرح

بڑھنا شروع کر دیتی ہیں۔ اور سارے ملک پر چھا جاتی ہیں۔ مرہٹوں کی طاقت یا نظام حیدر آباد کی طاقت کے مقابلہ میں مدراس میں انگریزوں کی دسویں حصہ کے برابر بھی طاقت نہیں تھی۔ اسی طرح سراج الدولہ کی طاقت کے مقابلہ میں بنگال میں انگریزوں کی طاقت دسویں حصہ کے برابر بھی نہ تھی۔ مگر باوجود اس کے مقابلہ میں وہ ہار جاتے ہیں۔ اور انگریز جیت جاتے ہیں۔ اس تمام

فتح اور شکست کی تہ میں ایک ہی وجہ

نظر آتی ہے۔ اور وہ یہ کہ بڑے بڑے وزراء اور افسر یا رشوت خوار تھے۔ یا وہ کسی اور لالچ میں آجاتے تھے۔ اگر یہ بددیانتی نہ ہوتی۔ تو کبھی ہندوستان پر

انگریزی حکومت

قائم نہ ہو سکتی۔ لیکن اس بددیانتی کی موجودگی میں اگر انگریزی حکومت نہ ہوتی۔ تو فرانسیسی حکومت ہوتی۔ اگر فرانسیسی حکومت نہ ہوتی تو پرتگیزی حکومت ہوتی۔ اگر پرتگیزی حکومت نہ ہوتی۔ تو کوئی اور حکومت ہوتی۔ بہرحال یہ ملک اس قابل نہ تھا۔ کہ اپنا بوجھ آپ اٹھا سکتا۔

بددیانتی کے بوجھ نے ان لوگوں کی کمریں خم کر دی تھیں

اور لالچ کے بار نے ان لوگوں کو ایسا جھکا دیا تھا۔ کہ وہ شریف لوگوں میں سیدھا چلنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ وہ شکار تھے دُنیا کا۔ اگر انگریز نہ آتے۔ تو کوئی اور آتا۔ بہرحال وہ خود اپنی حکومت سنبھالنے کے ناقابل تھے اوپر سے لے کر نیچے تک سب جگہ بددیانتی پائی جاتی تھی۔ پھر وسطِ ہند میں آکر لکھنؤ اور اس کے بعد دھلی میں جو کچھ ہؤا۔ وہ بھی اسی

بددیانتی کا کرشمہ

ہے۔ غدر کی بغاوت جب ہوئی۔ تو اس وقت ہندوستانیوں نے چاہا۔ کہ اپنے آپ کو انگریزوں کے تسلط سے آزاد کر لیں۔ اور ایسے کئی مواقع آئے۔ جبکہ دہلی کی حکومت غالب آنے کے بالکل قریب تھی۔ لیکن خود ملک کے اندرونی غداروں اور بددیانتوں نے ان مواقع کو ضائع کر دیا۔

یہ مشہور تاریخی واقعہ ہے۔ کہ ایک موقعہ پر انگریزی فوج پر نہایت آسانی کے ساتھ گولہ باری کی جا سکتی تھی۔ میں نے خود دہلی میں وہ موقعہ دیکھا ہے۔ مگر زینت محل جو

بادشاہ کی چہیتی ملکہ

تھی۔ اسے انگریزوں نے رشوت دے رکھی تھی۔ اور اسے کہا تھا۔ کہ اگر تم ہمارا ساتھ دو گی۔ تو تمہارے بیٹے کو تخت مل جائے گا۔ جب دہلی کے فوجی افسروں نے بادشاہ کو مشورہ دیا۔ کہ قلعہ پر توپیں رکھ کر چلا دی جائیں۔ اور بادشاہ نے بھی ان کے مشورہ کو قبول کر لیا۔ تو انگریزی فوج کی طرف سے زینت محل کو پیغام پہنچا۔ کہ اگر تم نے اس موقعہ پر توپیں چلنے دیں۔ تو تمہاری تمام امیدیں ہوا ہو جائیں گی۔ تریا چرتر تو ہمارے ملک میں مشہور ہی ہے۔ جب بادشاہ نے توپیں چلانے کا حکم دیا۔ تو بیگم کو بناوٹی طور پر غش پر غش آنے لگ گئے۔ اور اس نے بادشاہ سے کہا۔ کہ توپ کی آواز سے میرا دل دہل جاتا ہے۔ اگر آپ نے توپوں کا چلنا بند نہ کیا۔ تو میں مر جاؤں گی۔ پس خدا کے لئے توپوں کا چلنا بند کرائیں۔ اور اگر توپیں چلانا ضروری ہی ہے۔ تو اپنے ہاتھ سے پہلے مجھے قتل کر دیں۔ تاکہ میں ان کی آواز نہ سُن سکوں۔ بادشاہ بھی دھوکے میں آگئے۔ اور

گولہ باری کا حکم منسوخ کر دیا

نتیجہ یہ ہؤا۔ کہ وہ ایک ہی مقام جہاں سے کامیابی کے ساتھ انگریزی فوجوں پر حملہ ہو سکتا تھا۔ اس پر سے گولہ باری بند کر دی گئی۔ اور انگریزی فوجیں غالب آگئیں۔ خود بادشاہ کا وزیر اعظم اندر سے انگریزوں کے ساتھ ملا ہؤا تھا۔ اور انگریزوں کو باقاعدہ اندرونی خبریں پہنچتی رہتی تھیں۔

اودھ کی حکومت

بھی اسی طرح تباہ ہوئی۔ وہاں کے لوگوں کا تمام روپیہ کلکتہ کے انگریزی بنک میں جمع تھا۔ جب انگریزوں نے اس علاقہ پر حملہ کیا۔ تو انہوں نے لوگوں کو کہلا بھیجا۔ کہ اگر تم نے ذرا بھی ہمارے خلاف آواز اٹھائی۔ یا مقابلہ کیا۔ تو تمہارا تمام روپیہ ضبط کر لیا جائے گا۔ جب تک ان کے روپے جمع نہیں تھے۔ اس وقت تک تو انہیں یہ لالچ دیا گیا۔ کہ اگر تم اپنے روپے ہمارے بنک میں جمع کرو گے۔ تو تمہیں بہت کچھ سود ملے گا۔ اور جب روپیہ جمع ہو گیا۔ اور اودھ پر انہوں نے حملہ کی تیاری کی۔ تو سب کو نوٹس دے دیا۔ کہ اگر تم نے ہمارا مقابلہ کیا۔ تو سب روپیہ ضبط کر لیا جائے گا۔ نتیجہ یہ ہؤا۔ کہ جب انگریزی فوج اندر داخل ہوئی۔ تو ایک شخص بھی ان کے مقابلہ کے لئے کھڑا نہ ہؤا۔

اب اس میں بھلا انگریزوں یا کسی اور قوم کا کیا قصور ہے۔ یہ خود اپنی قوم کا قصور ہے۔ کہ لوگ اپنے اخلاق کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ جب کبھی ہندوستان میں

کانگرس کا شور

بلند ہؤا ہے۔ میں نے ہمیشہ انہیں یہی کہا ہے۔ کہ تم اس وقت تک حکومت نہیں کر سکتے۔ جب تک لوگوں کے اندر بددیانتی پائی جاتی ہے۔ ہاں اگر قومی طور پر تم دیانت کو لوگوں کے اندر قائم کر دو۔ تو پھر میں اس بات کا ذمہ وار ہوں۔ کہ انگریز آپ ہی آپ تم سے صلح کرنے کے لئے آگے بڑھیں گے۔ اب بھی دیکھ لو۔ کیا ہو رہا ہے۔ گو کئی صوبوں میں کانگرسی وزارتیں قائم ہو چکی ہیں۔ مگر انہی صوبوں میں خطرناک طور پر رشوتیں چل رہی ہیں۔ اور اب تو گاندھی جی نے بھی اپنے اخبار میں لکھا ہے۔ کہ بعض واقعات میرے سامنے ایسے آئے ہیں۔ جن سے یہ بات درست معلوم ہوتی ہے۔ تو جب تک کسی قوم میں دیانت نہیں۔ اس وقت تک نہ اس قوم میں حکومت رہ سکتی ہے۔ نہ حکومت لے سکتی ہے۔ اور اگر بالفرض وہ کبھی اپنی کثرتِ تعداد کی بناء پر حکومت لے بھی لے۔ تو وہ حکومت کو سنبھال نہیں سکتی۔ مگر یہ چیز صرف حکومت سے تعلق نہیں رکھتی۔ کہ یہ کہا جائے۔ کہ آپ حکومتوں کی بات لے بیٹھے ہیں۔ جماعت احمدیہ کی بات کیوں نہیں کرتے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ طاقت اور جتھا حکومتوں سے ہی وابستہ نہیں ہوتا۔ بلکہ قوموں سے بھی وابستہ ہوتا ہے۔ اور بعض قومیں تو تلوار سے جیتتی ہیں۔ اور

بعض نظام اور تبلیغ سے جیتتی ہیں

ہماری جماعت تلوار سے جیتنے والی نہیں۔ بلکہ نظام اور تبلیغ سے جیتنے والی ہے۔ اور نظام اور تبلیغ سے جیتنے والی جماعتوں کو دیانت کی اُن جماعتوں سے بھی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ جو تلوار سے جیتتی ہیں۔ اسلئے کہ جن قوموں کے پاس تلوار ہو۔ وہ تو بددیانتوں کا تلوار سے سر اڑا سکتی ہیں۔ مگر جن کے پاس تلوار نہ ہو۔ انہیں بددیانتی بہت زیادہ نقصان پہنچایا کرتی ہے۔ کیونکہ ان کے پاس بددیانتوں کا کوئی علاج نہیں ہوتا۔ انگریزوں میں یا فرانسیسیوں میں یا جرمنوں میں جب کوئی شخص غداری کرتا ہے۔ تو انگریز فرانسیسی اور جرمن اس پر مقدمے کرتے۔ اور مجرم ثابت ہونے پر اسے مار ڈالتے ہیں۔ مگر جن کے پاس حکومت نہیں ہوتی۔ اور جو تلوار سے کامیاب نہیں ہونا چاہتے۔ بلکہ نظام اور تبلیغ سے کامیاب ہونا چاہتے ہیں۔ ان میں جب کوئی غدار پیدا ہو جاتا ہے۔ تو وہ اس کا سوائے اس کے اور کیا علاج کر سکتے ہیں۔ کہ دلائل سے اس کا مقابلہ کریں۔ مگر اس رنگ میں مقابلہ کرنے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ وہ

غدار شور مچاتا رہتا ہے

اور اس کو دیکھ کر بعض اور لوگ بھی جن کی فطرت میں غداری کا مادہ ہوتا ہے۔ یہ خیال کرنے لگ جاتے ہیں۔ کہ ان کے پاس طاقت تو ہے نہیں۔ چلو ہم بھی ذرا شور مچا دیں۔ چنانچہ وہ بھی جماعت کو بدنام کرنے لگ جاتے ہیں۔ اس قسم کے مفاسد کو دُور کرنے کا صرف ایک ہی علاج ہے۔ اور وہ یہ کہ غداری کا قلع قمع کر دیا جائے۔ اور غداری کا قلع قمع اس وقت تک نہیں ہو سکتا۔ جب تک قوم میں ایسی روح پیدا نہ ہو۔ کہ اس کا

ہر فرد موت کو غداری پر ترجیح دے

اور وہ کہیں۔ کہ ہم مر جائیں گے۔ مگر غداری نہیں کریں گے۔ یہ بددیانتی کبھی انفرادی ہوتی ہے۔ اور کبھی قومی۔

انفرادی بددیانتی اقتصادیات کو بالکل تباہ کر دیتی ہے

میں جب کشمیر گیا۔ تو مجھے معلوم ہؤا۔ کشمیر کے تاجروں کی صرف چاندی کے کام کی ایک کروڑ روپیہ کی تجارت یورپ والوں سے تھی۔ اب ایک کروڑ روپیہ کی تجارت کے یہ معنی ہیں۔ کہ بیس پچیس لاکھ روپیہ انہیں بطور منافع حاصل ہوتا تھا۔ کام کی مزدوری الگ تھی۔ لیکن مجھے بتایا گیا۔ کہ اب یہ تجارت سولہ لاکھ روپیہ تک رہ گئی ہے۔ اور اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ یورپ کے لوگ کہتے ہیں۔ یہاں کے مال کا کوئی معیار نہیں۔ کبھی کوئی چیز بھیج دیتے ہیں۔ اور کبھی کوئی۔ کبھی تو نہایت اعلےٰ مال روانہ کریں گے۔ اور کبھی اس میں کھوٹ ملا دیں گے۔ حالانکہ اگر وہ دیانتداری سے کام کرتے۔ تو آج وہ ایک کروڑ کی تجارت تین چار کروڑ تک پہنچی ہوئی ہوتی۔ پہلے زمانہ میں تو تجارتیں بہت کم تھیں۔ تجارت میں زیادتی اسی زمانہ میں ہوئی ہے۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

پھر اگر اس زمانہ میں جبکہ تجارت کا رواج بہت کم تھا۔ ان کی ایک کروڑ روپیہ کی تجارت ہو سکتی تھی۔ تو لازمًا اب وہ تجارت تین چار کروڑ روپیہ کی ہو جاتی۔ مگر بجائے اس کے کہ ان کی تجارت

تین چار کروڑ روپیہ تک ترقی

کرتی۔ اور کروڑ ڈیڑھ کروڑ روپیہ انہیں نفع حاصل ہوتا۔ پہلی تجارت بھی گر گئی۔ اور وہ ایک کروڑ سے اتر کر سولہ لاکھ روپیہ تک آ گئی۔ اگر وہ تھوڑے سے نفع کی خاطر بد دیانتی کر کے اپنے کام کو نقصان نہ پہنچاتے۔ تو نتیجہ یہ ہوتا۔ کہ ان کی یہ تجارت خوب چلتی۔ مگر چونکہ انہوں نے بد دیانتی کی۔ اس لئے تجارت میں نقصان ہو گیا۔ تو انفرادی اعتبار بھی دیانت سے ہی قائم رہتا ہے۔ انگریزوں کو ہی دیکھ لو۔ ان کے کئی لوگ دشمن ہیں۔ مگر وہ دشمن بھی یہ اقرار کرتے ہیں۔ کہ

تجارت کے معاملہ میں انگریزوں پر زیادہ اعتبار

کیا جا سکتا ہے۔ وہ اتنا اعتبار جرمنوں پر نہیں کرینگے۔ وہ اتنا اعتبار جاپانیوں پر نہیں کریں گے۔ جتنا اعتبار وہ انگریزوں پر کریں گے۔ کیونکہ انگریزوں نے دیانتداری کے نتیجہ میں اعتماد پیدا کر لیا ہے۔ میں نے دیکھا ہے۔ جاپانیوں پر بھی لوگ زیادہ اعتبار نہیں کرتے۔ اور جاپان سے تجارت کرنے والوں کے ہمیشہ دیوالے نکلتے رہتے ہیں۔ میں نے ایک دفعہ کلکتہ کے چند تاجروں سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے۔ جاپانی تجارت کرنے والے دیوالے کیوں نکالتے رہتے ہیں۔ تو انہوں نے بتایا۔ کہ

جاپانی تاجر عجیب قسم کی حرکت کرتے ہیں

وہ پہلے اپنی ایک چیز کی ایک رقم معین کر کے اطلاع دے دیتے ہیں۔ مثلاً وہ بوٹ بناتے ہیں۔ اور کہہ دیتے ہیں۔ کہ اسکی قیمت ایک روپیہ فی جوڑا ہے۔ اب اتنا سستا بوٹ دیکھ کر بڑے بڑے تاجر انہیں آرڈر دے دیتے ہیں۔ کوئی ایک لاکھ کا آرڈر دے دیتا ہے۔ کوئی دو لاکھ کا آرڈر دے دیتا ہے۔ کوئی تین لاکھ کا آرڈر دے دیتا ہے۔ اور کوئی چار لاکھ کا آرڈر دے دیتا ہے۔ ابھی وہ مال پہنچتا نہیں۔ کہ اطلاع آ جاتی ہے۔ اب اسی بوٹ کے بارہ آنے ہو گئے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ تاجر جنہوں نے پہلی دفعہ مال نہیں منگوایا تھا۔ کئی لاکھ کا آرڈر دے دیتے ہیں۔ مگر ان کا مال بھی ابھی ان تک نہیں پہنچتا۔ کہ اطلاع آ جاتی ہے۔ اسی بوٹ کی قیمت آٹھ آنے ہو گئی ہے۔ اس قدر سستا بوٹ دیکھ کر پھر اور لوگ انہیں آرڈر دیدیتے ہیں۔ اب گو اس طرح ان کا مال زیادہ بک جاتا ہے۔ مگر وہ پہلا تاجر جس نے پانچ لاکھ روپیہ کا مال منگوایا تھا۔ اسکو ۲½ لاکھ کا نقصان ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح آئندہ کے لئے وہ جاپانی تاجروں سے مال منگوانے میں بہت زیادہ احتیاط سے کام لینے لگتا ہے۔ گو چیزوں کے زیادہ سستا ہونے اور ان کی زیادہ بکری ہو جانے کی وجہ سے جاپانی تاجروں کو ابھی یہ محسوس نہیں ہؤا۔ کہ وہ ایک غلط راستہ پر چل رہے ہیں۔ مگر انجامکار ایسی عادت مفید ثابت نہیں ہوتی۔ اور وہ نقصان پہنچا کر رہتی ہے۔ گو جاپانی مال میں بد دیانتی نہیں کرتے۔ مگر چونکہ وہ قیمتوں کو بڑھاتے گھٹاتے رہتے ہیں۔ اسیئے گو ابھی اپنی چیزوں کو زیادہ سستا فروخت کرنے کی وجہ سے انہیں نقصان نہیں پہنچا۔ مگر جب بھی

برابر کی قیمت کا سوال

آ جاتا ہے۔ اس وقت واقف تاجر انگریزی مال کو جاپانی مال پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ جاپانی ٹھگی کر لیتے ہیں۔ مگر انگریز ٹھگی نہیں کرتے۔ انگریزوں سے اتر کر امریکہ اور جرمن کے لوگ ہیں۔ اور ان سے اتر کر اور ممالک کے لوگ۔ مگر ہندوستانی تجارت میں اتنا خطرناک طور پر بدنام ہے۔ کہ کوئی قوم اس پر اعتبار نہیں کرتی۔ مکہ مکرمہ میں سب سے زیادہ حج کے لئے جانے والے ہندوستانی ہی ہوتے ہیں۔ مگر جانتے ہو۔ وہاں ہندوستانی کا کیا نام ہے۔ وہاں ہندوستانی کو ببطال کہا جاتا ہے یعنی وہ سخت جھوٹا اور بد دیانت ہوتا ہے۔ جب بھی کسی ہندوستانی کا ذکر ان کے سامنے آئے گا۔ وہ کہیں گے۔

"ہندی ببطال"

یعنی ہندوستانی سخت جھوٹا اور دھوکے باز اور چور ہوتا ہے۔ وہ جاوی پر اعتبار کر لیں گے۔ وہ چینی پر اعتبار کر لیں گے۔ وہ افغان پر اعتبار کر لیں گے۔ وہ مصری پر اعتبار کر لیں گے۔ وہ ایرانی پر اعتبار کر لیں گے۔ وہ روسی پر اعتبار کر لیں گے۔ مگر جس وقت کسی ہندوستانی کا سوال ان کے سامنے آئے گا۔ تو وہ کہیں گے۔ ہندی ببطال۔ ہندی بڑا جھوٹا اور چور ہوتا ہے۔ ہندوستانی ہی سب سے زیادہ

مکہ مکرمہ کی محبت کا دعوےٰ

کرتا ہے۔ ہندوستانی ہی مقامات مقدسہ کی حفاظت میں سب سے زیادہ حصہ لیتا ہے۔ اور ہندوستانی ہی سب کے آگے رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر وہاں کے لوگوں پر اس نے کیا اثر ڈالا ہے۔ یہی کہ ہندی ببطال۔ اگر ان کے اخلاق اچھے ہوتے۔ تو جس طرح انہوں نے باہر کے لوگوں کے لئے قربانیاں کی تھیں۔ اسی طرح کوئی ان کے لئے بھی تو قربانی کرتا۔ مگر کیا یہ عجیب بات نہیں۔ کہ ترکوں کی خلافت پر حملہ ہوتا ہے تو ہندوستانی مسلمان اسکی حفاظت کے لئے آگے بڑھتے ہیں۔ مصر پر انگریزوں کے دانت تیز ہوتے ہیں۔ تو ہندوستان کے مسلمان اس کے مقابلہ کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیتے ہیں۔ افغانستان پر حملہ ہوتا ہے۔ تو ہندوستانی مسلمان مضطرب ہو جاتے ہیں۔ ایران خطرہ میں ہوتا ہے۔ تو ہندوستانی مسلمان چیخ اٹھتے ہیں۔ گویا دنیا جہان کا درد ہندوستان کے مسلمان کے سینہ میں ہے۔ اور جہاں کہیں کسی مسلمان کو تکلیف پہنچتی ہے۔ وہ اس کے اثر سے مضطرب اور بے چین ہو جاتا ہے۔ مگر جب ہندوستان کے مسلمانوں پر کوئی مصیبت آتی ہے۔ تو مصر کے لیڈر بھی کہتے ہیں۔ کہ ہندوستان کے مسلمان بڑے احمق ہیں۔ جب انہیں آزادی مل رہی ہے۔ تو وہ ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کیوں نہیں کرتے۔ ترک بھی کہتے ہیں۔ کہ ہندوستان کے مسلمان بڑے احمق ہیں۔ انہیں عقلمندی کے ساتھ کام کرنا نہیں آتا۔ ایرانی بھی کہتے ہیں۔ کہ ہندوستانی مسلمان بے وقوف ہیں۔ اور افغانی بھی کہتے ہیں۔ کہ ہندوستان کے مسلمان عقل وسمجھ سے عاری ہیں۔ اسکی وجہ یہی ہے۔ کہ ان کے

کیریکٹر کا بُرا اثر

ان لوگوں کے دلوں پر ہے۔ اور اسی کیریکٹر کے بد اثر کی وجہ سے وہ ان کی قربانی کی بھی قدر نہیں کرتے۔ وہ سمجھتے ہیں۔ کہ ان کی قربانی بھی ان کی کمزوری کی علامت ہے۔ جس طرح ایک کمزور انسان بعض دفعہ جوش میں آ جاتا ہے۔ مگر اس کا جوش کسی نیکی کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ طبیعت کی کمزوری کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ خیال کرتے ہیں۔ کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی قربانی بھی کسی نیکی کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ کمزوری کی وجہ سے ہے۔ اگر یہاں کے آٹھ کروڑ مسلمانوں کے اندر صحیح اخلاق ہوتے۔ تو یہ آٹھ کروڑ مسلمان بھی ہندوستان کو بچا سکتا تھا۔ بلکہ آٹھ کروڑ کیا اگر چار کروڑ با اخلاق مسلمان بھی ہندوستان میں موجود ہوتا۔ تو کوئی غیر حکومت اس ملک کی طرف اپنی آنکھ نہیں اٹھا سکتی تھی۔

بھلا چار کروڑ مسلمانوں کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتے تھے۔ چند ہزار انگریز۔ یا چند ہزار فرانسیسی یا پرتگیزی۔ پھر چار کروڑ ہی نہیں۔ اگر دو کروڑ دیانتدار مسلمان بھی ہندوستان میں موجود ہوتے تب بھی یہ ملک دوسروں کا غلام نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر اس وقت مسلمانوں کی حکومت میں دو کروڑ ایسے مسلمان موجود ہوتے۔ جو اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار ہوتے۔ تو کس کی طاقت تھی۔ کہ وہ ہندوستان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکتا۔ بلکہ میں کہتا ہوں۔ کہ اگر ایک کروڑ بھی دیانتدار مسلمان ہوتا۔ ایک کروڑ نہیں پچاس لاکھ ہی ہوتے پچاس لاکھ نہیں۔ پچیس لاکھ ہی ہوتے۔ پچیس لاکھ نہیں بارہ لاکھ ہی دیانتدار مسلمان موجود ہوتے۔ تو بھی آج ہمارے ملک کی وہ حالت نہ ہوتی۔ جو نظر آ رہی ہے۔

بارہ لاکھ دیانتدار مسلمانوں کی موجودگی کے معنے

یہ تھے۔ کہ ایک لاکھ جاں نثار سپاہی میسر آ سکتا تھا۔ اور اگر ایک لاکھ جاں نثار سپاہی اس وقت موجود ہوتا۔ تو انگریزوں اور فرانسیسیوں کی مجموعی طاقت بھی ان کا مقابلہ نہ کر سکتی۔ کسی ملک کی آبادی کے آٹھ فی صدی حصہ کا سپاہی ہونا معمولی بات ہے۔ جو جنگی قومیں ہوتی ہیں۔ ان میں بعض دفعہ سولہ فی صدی تک سپاہی ہوتے ہیں۔ اور جب

انتہائی خطرہ کا وقت

آتا ہے۔ تو تیس بلکہ چالیس فی صدی آبادی بھی لڑائی کے لئے تیار ہو جاتی ہے۔ بہر حال کسی ملک کا جو ادنےٰ سے ادنےٰ فوجی معیار ہے۔ اگر وہی ہمارے ملک میں قائم ہوتا۔ تو بارہ لاکھ مسلمانوں میں سے ایک لاکھ سپاہی ضرور مل جاتا۔ اور اعلےٰ معیار کے رُو سے پونے پانچ لاکھ مسلمان انگریزوں کے مقابلہ کے لئے تیار ہوتے۔ اب اگر اتنی بڑی تعداد ہندوستان میں موجود ہوتی۔ تو کونسی قوم تھی۔ جو ہندوستان کو فتح کر سکتی۔ یقینًا نہ انگریز ہندوستان کو فتح کر سکتے۔ نہ فرانسیسی اسے فتح کرنے کی طاقت رکھتے۔ اور نہ پرتگیزی اسے فتح کرنے کی طاقت رکھتے۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ اس وقت صرف چند ہزار یا چند سو ایسے لوگ تھے۔ جو دیانتدار تھے۔ اور جو ملک کے لئے قربانی کرنے کی روح اپنے اندر رکھتے تھے۔ باقی جس قدر تھے۔ وہ ٹھگ تھے۔ وہ فریبی تھے۔ وہ دھوکے باز تھے۔ وہ رشوت خوار تھے وہ نمک حرامی کرتے تھے۔ اور غیروں سے رشوتیں لے لے کر اپنے ملک کی حکومت کو آپ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

تباہ و برباد کرنے کے درپے ہو رہے تھے۔

کیا ہی بدقسمت وہ ملک ہے۔ جس میں ۳۳ کروڑ کی آبادی ہو۔ مگر ملک کی خاطر چار پانچ ہزار آدمی بھی اس میں وفادار نہ ہو۔ اس سے زیادہ بدقسمتی کی مثال اور کیا ہو سکتی ہے۔ پھر ملک کو جانے دو۔ عقل کے ساتھ تو انہوں نے اپنے ساتھ بھی وفاداری نہیں کی۔

حکومت تو گئی ہی تھی۔ تجارت کیوں گئی۔

مگر ان کے ہاتھ سے تجارت کا نکل جانا بھی بتاتا ہے۔ کہ یہ اپنے نفس اور اپنی ذات کے بھی وفادار نہیں۔ اگر ان میں اپنے نفس کے ساتھ وفاداری کا ہی مادہ ہوتا۔ تو ان کے ہاتھ سے تجارت کبھی نہ جاتی۔

تو بددیانتی ایسی چیز ہے۔ جو قوموں اور افراد دونوں کو تباہ کر دیتی ہے۔ مگر جس قوم میں دیانت آجائے۔ اسے ہر جگہ عزت حاصل ہوتی ہے۔ اور کوئی اسے ذلیل نہیں کر سکتا۔ اسی طرح

انفرادی دیانت

جب کسی قوم میں پیدا ہو جاتی ہے۔ تو وہ اقتصادی طور پر بڑھتی چلی جاتی ہے۔ مگر یہ انفرادی دیانت دو قسم کی ہوتی ہے۔

ایک تجارتی دیانت اور ایک اخلاقی دیانت

جن قوموں میں اخلاقی دیانت نہ ہو۔ مگر تجارتی دیانت ہو۔ وہ بھی نہیں گرتیں۔ چنانچہ ہندوؤں کو ہی دیکھ لو۔ بنئے میں اخلاقی دیانت نہیں۔ مگر تجارتی دیانت ہے۔ اور اس وجہ سے وہ تجارت میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ یہودیوں میں بھی اخلاقی دیانت نہیں۔ لیکن تجارتی دیانت ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ان کی تجارت روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اسی طرح جس قوم میں اخلاقی دیانت پیدا ہو جائے۔ اس کا اخلاقی طور پر دوسروں کے

قلوب پر سکہ

بیٹھ جاتا ہے۔ اور اس قوم کے افراد جہاں جاتے ہیں۔ لوگ ان سے مشورہ لیتے اور ان کی باتوں پر اپنے کاموں کا انحصار رکھتے ہیں۔ لیکن جس قوم میں قومی دیانت بھی ہو۔ تجارتی دیانت بھی ہو۔ اور اخلاقی دیانت بھی ہو۔ وہ قوم تو ایک پہاڑ ہوتی ہے۔ یہ ممکن ہے۔ کہ ہمالیہ پہاڑ کو اڑایا جا سکے۔ مگر یہ ممکن نہیں۔ کہ اس قوم کو برباد کیا جا سکے۔ ایسی قوم نہ صرف خود محفوظ ہوتی ہے۔ بلکہ اور لوگوں کی حفاظت کا بھی موجب ہوتی ہے اور اس کے ذریعہ اور قومیں حوادث اور مصائب سے بچائی جاتی ہیں۔

اور وہ

دنیا کے لئے ایک تعویذ

ہو جاتی ہے۔

پس میں خدام الاحمدیہ سے کہتا ہوں۔ کہ یہ تینوں قسم کی دیانتیں تم لوگوں کے اندر پیدا کرو۔ جس کا ذریعہ تمہارے پاس موجود ہے۔ کیونکہ

نوجوانوں کی باگ تمہارے ہاتھ میں دی گئی ہے

تم نوجوانوں میں قومی دیانت بھی پیدا کرو۔ تم نوجوانوں میں تجارتی دیانت بھی پیدا کرو۔ اور تم نوجوانوں میں اخلاقی دیانت بھی پیدا کرو۔ تجارتی دیانت کے معنے صرف تجارت اور لین دین کے معاملات میں ہی دیانتدارانہ رویہ اختیار کرنے کے نہیں۔ بلکہ نوکری بھی اسی میں شامل ہے۔ کیونکہ نوکر اپنا وقت دوسرے کو دیتا ہے۔

پس جس طرح ہر تاجر کا فرض ہے۔ کہ وہ تجارت میں دیانتداری سے کام لے۔ اسی طرح ہر ملازم کا بھی فرض ہے۔ کہ وہ دیانتداری کے ساتھ کام کرے۔ دیانتدار نوکر کی ہر کوئی قدر کرتا اور اسے بلا بلا کر رکھتا ہے۔ لیکن اگر کسی کے متعلق ثابت ہو جائے۔ کہ وہ دیانتداری کے ساتھ کام نہیں کرتا۔ تو اس کی قدر دلوں سے اٹھ جاتی ہے۔

پس قومی دیانت۔ تجارتی دیانت اور اخلاقی دیانت اپنے اندر پیدا کرو۔ اخلاقی دیانت کے معنے یہ ہیں۔ کہ باوجود اس کے کہ اپنے

قول کی پچ

کرنے پر تم کو نقصان پہنچتا ہو۔ اپنے قول کی پچ کرتے ہوئے نقصان اٹھا کر بھی اپنے قول کو پورا کرو۔ اور اسے ضائع نہ ہونے دو۔

ایک قصہ مشہور ہے۔ جو گو ہماری ہی قوم کا ہے۔ مگر افسوس ہے۔ کہ ہماری روایتیں بھی ہمارے ذریعہ محفوظ نہیں۔ بلکہ انگریزوں کے ذریعہ محفوظ ہیں۔ جب ہم مدرسہ میں پڑھا کرتے تھے۔ اس وقت ریڈروں میں ایک

یوسف ہسپانوی کا قصہ

آتا تھا۔ جو اخلاقی دیانت کی بہترین مثال ہے۔ یوسف سپین کا ایک مشہور تاجر اور رئیس تھا۔ ایک دفعہ کسی شخص نے اس کے اکلوتے لڑکے کو قتل کر دیا۔ یوسف کو اس کا علم نہیں تھا۔ کہ اس کا لڑکا مارا گیا ہے۔ پولیس اس قاتل کے پیچھے بھاگی۔ اور وہ قاتل آگے آگے بھاگا۔ دوڑتے دوڑتے وہ شخص اسی مکان کے اندر آگیا۔ جہاں یوسف رہتا تھا۔

اور اس سے کہنے لگا۔ کہ مجھے پناہ دو۔ پولیس میرے تعاقب میں آرہی ہے۔ اسے معلوم نہ تھا۔ کہ میں نے اسی شخص کے بیٹے کو قتل کیا ہے۔ اور یوسف کو بھی معلوم نہ تھا۔ کہ یہ میرے بیٹے کا قاتل ہے۔ عربوں کا یہ

ایک خاص قومی کیریکٹر

ہے۔ کہ جب ان کے گھر میں کوئی شخص آکر ان سے پناہ کا طلبگار ہو۔ تو وہ انکار نہیں کر سکتے۔ اور اسے ضرور پناہ دے دیتے ہیں۔ یوسف نے بھی کہا۔ کہ بہت اچھا۔ تم میری پناہ میں ہو۔ تھوڑی دیر کے بعد پولیس والے آئے۔ اور انہوں نے پوچھا۔ کہ یہاں کوئی شخص دوڑتے دوڑتے آیا ہے۔ وہ ایک شخص کا قاتل ہے۔ اور ہم اسے گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔ یوسف نے کہا۔ یہاں تو کوئی نہیں۔ دراصل یوسف نے اسے ادھر ادھر کہیں کھسکا دیا تھا۔ اس طرح اس نے اپنی بات بھی سچی کر لی۔ اور واقعہ بھی ظاہر نہ ہونے دیا۔ چنانچہ پولیس واپس چلی گئی۔ تھوڑی دیر ہی گزری تھی۔ کہ نوکر اس کے لڑکے کی لاش اٹھا کر پہنچ گئے۔ اور انہوں نے کہا۔ کہ اسے ابھی کسی شخص نے قتل کر دیا ہے۔ وہ

اپنے لڑکے کی لاش

دیکھتے ہی ساری حقیقت سمجھ گیا۔ اور بھانپ گیا۔ کہ جس شخص کو میں نے پناہ دی ہے۔ وہی میرے لڑکے کا قاتل ہے۔ مگر اس کے اندر کوئی لغزش پیدا نہ ہوئی۔ اور اس نے پھر بھی پولیس کو یہ نہ بتایا۔ کہ جس شخص نے میرے بیٹے کو قتل کیا ہے۔ اسے میں نے فلاں جگہ چھپا رکھا ہے۔ جب لوگ ادھر ادھر ہو گئے۔ تو وہ اس شخص کے پاس گیا۔ اور اسے کہا۔ کہ جس شخص کو تم نے مارا ہے۔ وہ میرا

اکلوتا بیٹا

ہے۔ مگر چونکہ میں تمہیں پناہ دینے کا وعدہ کر چکا ہوں۔ اس لئے میں تجھے کچھ نہیں کہتا۔ بلکہ میں خود تجھے بھاگنے کا سامان دیتا ہوں۔ یہ میری اونٹنی ہے۔ اور یہ سامان اس پر لاد۔ اور یہاں سے کسی دوسری طرف کو نکل جا۔ چنانچہ وہ اونٹنی پر سوار ہوا۔ اور بھاگ کر کسی اور علاقہ کی طرف نکل گیا۔ یہ اخلاقی دیانت ہے۔ اس میں اس کا اپنا کوئی فائدہ نہیں۔ بلکہ نقصان تھا۔ مگر چونکہ وہ قول دے چکا تھا۔ اور اس میں کسی شرعی حکم کی خلاف ورزی بھی نہیں تھی۔ اس لئے اس نے اپنا قول نہ چھوڑا اور گو دوسرے شخص نے اس کے اکلوتے بیٹے کو مار دیا تھا۔ مگر

پھر بھی اس کی جان کو بچا دیا۔

تو فردی دیانت بھی نہایت اہم ہوتی اور دلوں کو ہلا دیتی ہے۔ اسی طرح

ابتدائے اسلام کا واقعہ

ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک شخص قتل کے جرم میں پکڑا گیا۔ اس نے کہا۔ کہ مجھے کچھ مہلت دیجئے۔ کیونکہ میرے پاس بعض یتامیٰ کی امانتیں ہیں۔ اور میں چاہتا ہوں۔ کہ گھر جا کر وہ امانتیں انہیں واپس کر دوں۔ وہ ایک بدوی تھا۔ اور بدویوں کا پکڑنا نہایت مشکل ہوتا ہے۔ کیونکہ سینکڑوں میل کا صحرا ہوتا ہے۔ جس میں وہ رہتے ہیں۔ اور آج اگر یہاں ہوتے ہیں۔ تو کل وہاں۔ کوئی ایک مقام ان کا ہوتا نہیں۔ کہ وہاں سے انہیں تلاش کیا جا سکے۔ اور اگر ہاتھ سے نکل جائیں۔ تو پھر ان کا ڈھونڈنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ کہ تم کوئی ضمانت دو۔ تو ہم تمہیں چھوڑ دیتے ہیں۔ بغیر ضمانت کے ہم تمہیں چھوڑ نہیں سکتے۔ اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ تو ایک صحابی کی طرف جو ابوذر یا ابو الدرداء تھے۔ مجھے اس وقت صحیح نام یاد نہیں۔ اشارہ کر کے کہا۔ یہ میرے ضامن ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا۔ کہ کیا آپ ضمانت دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا۔ ہاں میں اس کی ضمانت دیتا ہوں۔ اب ایک

قاتل کی ضمانت

دینے کے معنے یہ تھے۔ کہ اگر وہ مقررہ وقت پر نہ پہنچے۔ تو مجھے مار ڈالنا۔ ان کی ضمانت پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے چھوڑ دیا۔ اور وہ چلا گیا۔ جب وہ دن آیا۔ جو اس کی سزا کے لئے مقرر تھا۔ تو لوگ اس

بدوی کا انتظار

کرنے لگے۔ کہ کب آتا ہے۔ مگر وقت گزرتا جائے۔ اور اس کی آمد کا کوئی پتہ نہ لگے۔ آخر اس صحابی کے دوستوں کے دلوں میں تشویش پیدا ہوئی۔ اور انہوں نے اس سے پوچھا۔ کہ آپ جانتے بھی ہیں وہ ہے کون۔ انہوں نے کہا۔ مجھے تو معلوم نہیں۔ وہ کون تھا وہ کہنے لگے۔ تو پھر آپ نے ضمانت کیوں دی۔ انہوں نے کہا۔ اس نے جو مجھ پر اعتبار کیا تھا۔ تو میں اس پر کیوں اعتبار نہ کرتا۔ خیر ان کے دوستوں کے دلوں میں بڑی بے چینی پیدا ہو گئی۔ کہ نہ معلوم اب کیا ہوگا۔ مگر جب عین وہ وقت پہنچا۔ جو اس کی سزا کے لئے مقرر

Digitized by Khilafat Library Rabwah

تھا۔ تو لوگوں نے دیکھا۔ کہ دُور سے ایک غبار اُڑتا چلا آرہا ہے۔ سب لوگوں کی آنکھیں اس طرف لگ گئیں۔ ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی۔ کہ انہوں نے دیکھا۔ ایک سوار نہایت تیزی سے گھوڑا دوڑاتا چلا آرہا ہے۔ یہاں تک کہ گھوڑے کا پیٹ زمین سے لگ رہا ہے۔ جب وہ قریب پہنچا تو ادھر وہ گھوڑے سے اُترا۔ اور ادھر اس گھوڑے نے دم دے دیا۔ اور مر گیا۔ یہ سوار وہی شخص تھا۔ جس کی اس صحابی نے ضمانت دی تھی۔ وہ کہنے لگا۔ میرے پاس امانتیں کچھ زیادہ تھیں۔ ان کو واپس کرنے میں مجھے دیر ہو گئی۔ اور میں اپنے گھوڑے کو مارتا اور اسے نہایت تیزی سے دوڑاتا ہوا یہاں پہنچا۔ تاکہ میرے ضامن کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

تو دیانت ایسی چیز ہے۔ کہ باوجود اس کے ان واقعات پر سینکڑوں سال گزر گئے آج بھی ہم ان واقعات کو پڑھتے ہیں۔ تو یوں محسوس ہوتا ہے۔ کہ ہم اس

گناہ سے بھری ہوئی دنیا

میں نہیں۔ بلکہ ایک ایسی جنت میں ہیں۔ جو خوبیاں ہی خوبیاں اپنے اندر رکھتی ہے۔ حالانکہ یہ انفرادی واقعات ہیں۔ کروڑوں اور اربوں میں سے کسی ایک انسان کا واقعہ ہے۔ مگر یہ ایک واقعہ بھی انسانیت کو اتنا خوبصورت کر کے دکھا دیتا ہے۔ کہ دنیا کے سارے گناہ نگاہوں سے پوشیدہ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح تجارتی دیانت کی بھی ہمارے آباء میں مثالیں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ تاریخوں میں آتا ہے۔ کہ ایک دفعہ ایک شخص گھوڑے کو فروخت کرنے کے لئے بازار میں لایا۔ اور اس نے کہا۔ کہ اسکی پانچ سو درم قیمت ہے۔ ایک صحابی نے اس گھوڑے کو دیکھا۔ اور اسے پسند کیا۔ اور کہا۔ کہ میں یہ گھوڑا لیتا ہوں۔ مگر اسکی قیمت میں پانچسو درم نہیں بلکہ دو ہزار درم دونگا۔ کیونکہ یہ گھوڑا نہایت اعلےٰ قسم کا ہے۔ اور اسکی قیمت اتنی تھوڑی نہیں۔ جتنی تم بتاتے ہو۔ اس پر گھوڑا بیچنے والا اصرار کرنے لگا۔ کہ میں پانچسو درم لوں گا۔ اور گھوڑا خریدنے والا اصرار کرنے لگا۔ کہ میں دو ہزار درم دونگا ایک کہتا۔ کہ اے شخص تجھے گھوڑے کی پہچان نہیں۔ یہ گھوڑا زیادہ قیمت کا ہے۔ اور دوسرا کہتا کہ میں صدقہ لینا نہیں چاہتا۔ میں اپنے گھوڑے کو جانتا ہوں۔ اسکی قیمت پانچ سو درم ہی ہے۔

اس کے کتنا الٹ نظارہ آج دنیا میں نظر آتا ہے۔ وہاں تو یہ تھا۔ کہ چیز خریدنے والا قیمت بڑھاتا تھا۔ اور چیز بیچنے والا قیمت گراتا تھا۔ اور یہاں یہ حال ہے۔ کہ دو دو آنے کی چیز بعض دفعہ دس دس روپے میں فروخت کی جاتی ہے۔ بمبئی میں میں نے ان دو سفروں میں تو جو حال ہی میں میں نے کئے ہیں۔ نہیں دیکھا لیکن آج سے ۱۵ - ۲۰ سال پہلے میں نے جو سفر کئے تھے۔ ان میں دو دفعہ خود میرے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ ہؤا۔ بمبئی میں چونکہ عام طور پر نووارد لوگ آتے رہتے ہیں۔ اور وہ قلموں کی شناخت کا مادہ اپنے اندر نہیں رکھتے۔ اس لئے بعض لوگوں نے وہاں یہ طریق اختیار کیا ہؤا ہے۔ کہ جب کسی اجنبی شخص کو دیکھیں گے۔ اسے آملیں گے۔ اور کہیں گے۔ کہ میں مسافر ہوں۔ فلاں جگہ جانا چاہتا ہوں۔ مگر کرایہ کم ہو گیا ہے۔ میرے پاس یہ قلم ہے۔ اسکی پندرہ روپے قیمت ہے۔ مگر آپ دس روپے ہی دے دیں۔ تو میرا کرایہ بن جائیگا اب وہ قلم چھ سات پیسے کا ہوتا ہے۔ مگر بعض دفعہ کوئی ایسا اناڑی بھی انہیں مل جاتا ہے۔ جو اس ملمع کو دیکھ کر جو ٹین کے خول پر چڑھا ہؤا ہوتا ہے سمجھتا ہے۔ کہ یہ سودا بڑا سستا ہے۔ اور وہ دس روپے پر اس سے قلم لے لیتا ہے۔ حالانکہ وہ پانچ سات پیسے کا قلم ہوتا ہے۔ پھر بعض ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جو جھگڑا شروع کر دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ یہ قیمت زیادہ ہے۔ ذرا کم کرو۔ اس طرح وہ دس روپے سے نَو روپے پر آتا ہے۔ پھر نَو سے آٹھ پر۔ آٹھ سے سات پر سات سے چھ پر۔ چھ سے پانچ پر پانچ سے چار پر حتیٰ کہ بعض دفعہ وہی قلم جس جس کی قیمت وہ پہلے پندرہ روپے بتلاتے ہیں۔ چھ سات آنے پر دے دیتے ہیں۔ اور لینے والا سمجھتا ہے۔ کہ میں نے خوب لُوٹا حالانکہ پھر بھی وہی شخص انہیں لُوٹ کر لے گیا ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ قلم چند پیسوں کا ہوتا ہے۔ اور وہ کئی آنے بٹور لیتا ہے۔ خود میرے ساتھ بھی ایک دفعہ ایسا ہی ہؤا۔ مگر مجھے چونکہ بعض دوستوں نے یہ بات بتا دی تھی۔ اس لئے میں نے فوراً کہہ دیا۔ کہ مجھے ضرورت نہیں۔ مگر وہ کہنے لگا۔ دس نہ سہی۔ نَو ہی دے دیں۔ نَو نہ سہی آٹھ ہی دے دیں۔ آٹھ نہ سہی سات ہی دے دیں سات نہ سہی چھ ہی دے دیں۔ اچھا پانچ روپے ہی دے دیں۔ جب میں نے کہا۔ میں

کہہ چکا ہوں۔ کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ تو کہنے لگا اچھا چار ہی دے دیجئے۔ تین ہی دے دیجئے۔ دو ہی دے دیجئے۔ چلیئے ایک روپیہ ہی دے دیں۔ پھر وہ اس سے بھی نیچے اترا۔ اور کہنے لگا۔ آٹھ آنے ہی دے دیں۔ سات آنے ہی دے دیں۔ چلو چھ آنے ہی دے دیں۔ مگر میں نے کہا۔ جب میں نے کہہ دیا ہے۔ کہ میں نے نہیں لینا۔ تو میں چھ آنے بھی کیوں دوں۔ اسی طرح کشمیر میں میں نے دیکھا ہے۔ وہاں لوگ

مشک کا نافہ

لاتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ اس کے اندر ایک تولہ مشک ہے۔ اور اسکی اصل قیمت تیس روپے ہے۔ مگر چونکہ ہمیں روپے کی سخت ضرورت ہے۔ اسلیئے ہم آپ کو چوبیس پچیس روپے میں نافہ دے سکتے ہیں۔ پھر وہی نافہ جس کی وہ پچیس روپے قیمت بتاتے ہیں۔ بعض دفعہ آٹھ آنہ میں بھی دے دیتے ہیں۔ اور جب تم آٹھ آنہ میں مشک کا نافہ لے کر یہ سمجھتے ہو۔ کہ دنیا کے سب سے بڑے ماہر تاجر تم ہو۔ کیونکہ تم نے ایک شخص سے مشک کا نافہ آٹھ آنے میں لے لیا۔ تو اس وقت بھی تم دھوکا خوردہ ہوتے ہو۔ کیونکہ جب اسے کھول کر دیکھا جاتا ہے۔ تو اس میں سے کبوتر کے جمے ہوئے خون کے سوا اور کچھ نہیں نکلتا۔ اور تمہیں معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ بڑے ماہر تم نہیں۔ بلکہ بڑا ٹھگ وہی تھا۔ جو تمہیں لُوٹ کر لے گیا۔ وہ نافہ کے باہر تھوڑی سی مشک مل دیتے ہیں۔ اور اندر کبوتر کا خون بھر دیتے ہیں۔ کبوتر کے خون کی بعض دوائیوں سے بالکل مشک کی سی شکل ہو جاتی ہے۔ اور ناواقف آدمی سمجھتا ہے۔ کہ آج میں نے بڑا سستا سودا کیا۔ میں نے آٹھ آنہ میں مشک کا نافہ خرید لیا۔ حالانکہ اس میں صرف کبوتر کا خون ہوتا ہے۔ اور کبوتر کے خون کی قیمت تو ایک پیسہ بھی نہیں ہوتی۔ پھر

قومی دیانت

کو لے لو۔ یا تو یہ حال ہے۔ کہ کم سے کم آٹھ کروڑ مسلمان ہندوستان میں موجود ہیں۔ اور چند سو انگریز اس ملک پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ اور یا یہ حال نظر آتا ہے۔ کہ بدر کے میدان میں عرب کا ایک ہزار نہایت تجربہ کار سپاہی مکہ کی طرف سے لڑنے آتا ہے۔ ان کے مقابلہ میں صرف

۳۱۳ آدمی

ہیں۔ ان میں سے کئی ایسے ہیں۔ جنہوں نے کبھی تلوار چلائی ہی نہیں۔ اور دو تو ان میں پندرہ پندرہ سال کے لڑکے ہیں۔ اور سپاہی کہلانے کے مستحق صرف دو سو کے قریب آدمی ہیں۔ اور یہ بھی کسی بڑے پائے کے سپاہی نہ تھے۔ سوائے چند کے۔ مثلاً حضرت حمزہ رضؓ۔ حضرت علی رضؓ۔ حضرت ابوبکر رضؓ۔ حضرت عمر رضؓ۔ حضرت طلحہ رضؓ اور حضرت زبیر رضؓ یہ ایسے خاندانوں میں سے تھے۔ جن میں بچپن ہی سے فنونِ جنگ سکھائے جاتے تھے۔ اور یہی چند آدمی تھے۔ جو خاص طور پر ماہر فن سمجھے جاتے تھے۔ باقی سب معمولی سپاہی تھے۔ مگر مکہ کی طرف سے آنے والے لشکر میں ایک ایک آدمی ایسا تھا۔ جو ہزار ہزار پر بھاری سمجھا جاتا تھا۔ اور وہ تمام کے تمام فنونِ جنگ میں نہایت ماہر تھے۔ جب مسلمانوں اور کفار کا لشکر آمنے سامنے ہؤا تو اس وقت کسی نے سوال پیدا کر دیا۔ کہ اس لڑائی کا فائدہ کیا ہے۔ وہ تھوڑے سے آدمی ہیں۔ اور ہیں بھی قریباً سب مکہؓ کے انصاری اس جنگ میں بہت ہی کم ہیں۔ پس یہ سب ہمارے بھائی بند ہیں۔ اگر ہم مارے گئے تب بھی اور اگر یہ مارے گئے تب بھی دونوں صورتوں میں

مکہؓ میں ماتم

ہو جائے گا۔ اس کی بات کو تو لوگوں نے نہ سُنا۔ مگر انہوں نے اپنے میں سے ایک شخص کو یہ پتہ لگانے کے لئے بھیجا۔ کہ مسلمان کتنے ہیں۔ اور ان کے ساز و سامان کا کیا حال ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ وہ آدمی نہایت ہی ہوشیار تھا۔ جب وہ آیا۔ تو اس نے پہلے تو وہ جگہ دیکھی۔ جہاں مسلمانوں کا کھانا تیار ہو رہا تھا۔ پھر اس نے سواریوں کا اندازہ لگایا۔ اور واپس جا کر کہا۔ کہ میرا اندازہ یہ ہے۔ کہ مسلمان تین سو سوا تین سو کے قریب ہیں۔ یہ کیسا

صحیح اندازہ

تھا۔ جو اس نے لگایا۔ مسلمان واقعہ میں ۳۱۳ ہی تھے۔ مگر اس نے کہا۔ اے میرے بھائیو! میرا مشورہ یہ ہے۔ کہ تم لڑائی کا خیال چھوڑ دو۔ ابوجہل یہ سنکر جوش میں آگیا۔ اور اس نے کہا۔ کیوں ڈر گئے؟ وہ کہنے لگا۔ میں ڈر گیا ہوں یا نہیں۔ اس کا پتہ تو میدانِ جنگ میں لگ جائے گا۔ مگر میں یہ مشورہ تمہیں اس لئے دے رہا ہوں۔ کہ میں نے اونٹوں اور گھوڑوں پر آدمیوں کو چڑھے ہوئے نہیں دیکھا۔ بلکہ میں نے موتیں دیکھی ہیں۔ جو اُن

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار تھیں۔ ان میں سے ہر شخص اس نیت اور اسی ارادے کے ساتھ آیا ہوا ہے۔ کہ میں مٹ جاؤں گا مگر ناکام و نامراد واپس نہیں جاؤں گا۔ ان میں سے ہر شخص کا چہرہ بتا رہا ہے۔ کہ وہ سب کے سب یا تو خود فناہ ہو جائیں گے۔ یا تم کو فنا کر دیں گے۔ پس یہ مت خیال کرو۔ کہ یہ لڑائی ویسی ہوگی۔ جیسے عام لڑائیاں ہوتی ہیں۔ بلکہ یہ ایک نہایت ہی

اہم اور فیصلہ کن جنگ

ہوگی۔ اور یا تو وہ تمہیں فنا کر دیں گے۔ اور اگر وہ تمہیں فنا نہ کر سکے۔ تو وہ خود سب کے سب ڈھیر ہو جائیں گے۔ مگر میدانِ جنگ سے اپنا قدم پیچھے نہیں ہٹائیں گے۔ اور ایسی قوم کو دبانا ہی مشکل ہوتا ہے۔ جس کا ہر فرد مرنے کے لئے تیار ہو۔

یہ کیسا شاندار فقرہ ہے۔ جو اس کی زبان سے نکلا۔ کہ مسلمانوں میں سے ہر شخص اپنے گھر سے اسی نیت اور اسی ارادے کے ساتھ نکلا ہے۔ کہ میں فتح یا موت میں سے ایک چیز کو حاصل کئے بغیر واپس نہیں لوٹوں گا۔ کیا مختصر سے فقرہ میں اس نے ان تمام قلبی جذبات کا اظہار کر دیا ہے۔ جو مسلمانوں کے قلوب میں موجزن ہو رہے تھے۔ یہ فقرہ ان تاریخی فقرات میں سے ہے۔ جو ہمیشہ یاد رکھے جانے کے قابل ہیں۔ کہ اے میرے بھائیو۔ میں نے آدمی نہیں دیکھے۔ بلکہ موتیں دیکھی ہیں۔ جو اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار تھیں۔

پھر دیکھ لو۔ وہی ہؤا۔ جو اس نے کہا تھا۔ وہ واقعہ میں موتیں بن کر ظاہر ہوئے۔ یا تو وہ مر گئے۔ یا انہوں نے کفار کو مار دیا۔ جن کے لئے موت مقدر تھی۔ وہ تو مر گئے۔ اور جن کے لئے موت مقدر نہیں تھی۔ انہوں نے مکہ والوں کا ایسا تہس نہس کیا۔ کہ مکہ کے ہر گلی کوچہ میں ماتم بپا ہو گیا۔ ہزار آدمی کا ایک ایسے شہر میں سے نکل کر لڑائی کے لئے تیار ہو جانا جس میں دس پندرہ ہزار آدمی رہتے ہوں۔ معمولی بات نہیں۔ ہر بارہ آدمی کے پیچھے ایک آدمی کا مارا جانا یا زخمی ہونا کوئی کم صدمے والی بات نہیں ہوتی۔ لیکن جب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ جو آدمی مارے گئے وہ چوٹی کے آدمی تھے۔ تو ہم اور بھی زیادہ آسانی کے ساتھ اس بات کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ مکہ والوں کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔ ان مارے جانے والے لیڈروں میں سے ایک ایک آدمی ایسا تھا۔ جس پر ہزاروں کا گزارہ تھا۔

ابوجہل۔ عتبہ اور شیبہ

یہ سب مکہ کے لیڈر تھے۔ بیسیوں ان کے نوکر تھے۔ بیسیوں ان کے غلام تھے۔ بیسیوں ان کی تجارت پر کام کرتے تھے۔ اور بیسیوں کی حفاظت کے یہ ذمہ وار تھے۔ پس ان میں سے ایک ایک آدمی تہائی یا چوتھائی شہر کا ذمہ وار تھا۔ اور اس ایک آدمی کا مرنا صرف اس کے رشتہ داروں کے لئے ہی نہیں۔ بلکہ ہزاروں اور لوگوں کے لئے بھی ماتم کا موجب تھا۔ اس جنگ میں شکست کھانے کے بعد مکہ والوں کی ایسی

دردناک کیفیت

ہو گئی۔ کہ انہوں نے سمجھا۔ اگر آج ماتم کیا گیا۔ تو مکہ کی تمام عزت خاک میں مل جائے گی۔ پس عرب کے ان لیڈروں نے جو زندہ تھے آپس میں مشورہ کر کے فیصلہ کر دیا۔ کہ کوئی شخص بدر کے مقتولین کا ماتم نہ کرے۔ اور اگر کوئی شخص ماتم کرے۔ تو اسے قوم سے نکال دیا جائے۔ اس کا بائیکاٹ کیا جائے۔ اور اس پر جرمانہ کیا جائے۔ عرب ایک

قبائلی قوم

ہے۔ اور جو قبائلی قومیں ہیں۔ ان میں قومی روح انتہا درجہ کی شدید ہوتی ہے۔ پس اس حکم کی خلاف ورزی ان کے لئے ناممکن تھی۔ مائیں اپنے کلیجوں پر سِل رکھ کر۔ باپ اپنے دلوں کو مسوس کر۔ اور بچے اپنی زبانوں کو دانتوں تلے دبا کر بیٹھ گئے۔ اور ان کے لبوں سے آہ بھی نہیں نکلتی تھی۔ کیونکہ ان کی قوم کا یہ فیصلہ تھا۔ کہ آج رونا نہیں۔ تا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کے ساتھی خوش نہ ہوں۔ اور وہ یہ نہ کہیں۔ کہ دیکھا۔ ہم نے مکہ والوں کو کیسی شکست دی۔ مگر دل تو جل رہے تھے۔ سینوں میں سے تو شعلے نکل رہے تھے۔ جگر تو ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے تھے۔ وہ دروازے بند کر کے تاریک گوشوں میں بیٹھتے اور

دبی ہوئی آواز کے ساتھ روتے

تا کسی کو یہ پتہ نہ لگے۔ کہ وہ رو رہا ہے۔ مگر یہ رونا ان کی تسلی کا موجب نہیں تھا۔ کیونکہ

انسان غم کے وقت دوسرے سے تسلی چاہتا ہے

بیوی چاہتی ہے۔ کہ خاوند مجھ سے دکھ درد کرے۔ اور خاوند چاہتا ہے۔ کہ بیوی مجھ سے دکھ درد کرے۔ باپ چاہتا ہے۔ کہ بیٹا میرے غم میں حصہ لے۔ اور بیٹا چاہتا ہے۔ کہ باپ میرے غم میں حصہ لے۔ اسی طرح ہمسایہ چاہتا ہے۔ کہ ہمسایہ والے میرا غم بٹائیں۔ اور اگر کوئی ایسا ماتم ہو جائے۔ جس کا اثر سینکڑوں اور ہزاروں لوگوں پر ہو۔ تو اس وقت سب لوگ چاہتے ہیں۔ کہ ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کریں۔ اور اس طرح اپنے دکھ درد کو کم کریں۔ پس تنہائی کے گوشوں میں ان کا بیٹھ کر رونا ان کی تسلی کا موجب نہیں تھا۔ مہینہ گذر گیا۔ اور برابر یہ حکم نافذ رہا۔ اس عرصہ میں وہ آگ جو انہوں نے اپنے سینہ میں دبا رکھی تھی۔ سلگتی رہی آخر مہینہ کے بعد ایک دن ایک مسافر وہاں سے گذرا۔ اس کی ایک اونٹنی تھی۔ جو راہ میں ہی مر گئی۔ وہ اس اونٹنی کے غم میں چیخیں مار کر روتا جا رہا تھا۔ اور کہتا جا رہا تھا۔

ہائے میری اونٹنی مر گئی

ہائے میری اونٹنی مر گئی۔ تب مکہ کا ایک بوڑھا شخص جو اپنے مکان کے دروازے بند کر کے اندر بیٹھا ہؤا تھا۔ اس نے اپنے مکان کے دروازے کھول دیئے۔ اور بازار میں آ کر زور زور سے اس نے پیٹنا اور یہ کہنا شروع کر دیا۔ کہ اس شخص کو اپنی اونٹنی پر رونے کی تو اجازت ہے۔ مگر میرے تین جوان بیٹے مارے گئے۔ اور مجھے رونے کی اجازت نہیں دی جاتی یہ

ایک نعرہ

تھا۔ جو اس نے لگایا۔ جس نے مکہ میں ایک شعلہ کا کام دیا۔ اس کے بعد نہ کسی کو قانون کا خیال رہا۔ نہ قوم اور برادری سے اخراج کی دھمکی کا خیال رہا۔ معاً مکہ کے گھروں کے تمام دروازے کھل گئے۔ اور چوکوں اور بازاروں میں عورتیں اور بچے پیٹنے لگ گئے۔ یہ وہ موتیں تھیں۔ جو ۳۱۳ جانباز صحابہؓ کی شکلوں میں ظاہر ہوئیں۔ جب ایک ملک الموت ساری دنیا کی جان نکال لیتا ہے۔ تو اگر انسان بھی

ملک الموت کا نمائندہ

بن جائے۔ اور کہے۔ کہ میں مر جاؤں گا۔ مگر اپنے کام سے نہیں ہٹوں گا۔ تو اسے کون مار سکتا ہے۔ اسلام ظلم کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں دیتا۔ مگر اسلام اس معاملہ میں کوئی استثنےٰ نہیں کرتا۔ کہ اگر کوئی مسلمان ڈر کر یا غداری سے کام لے کر میدانِ جنگ سے بھاگ آئے۔ تو سوائے جہنم کے اس کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ وہ لا الٰہ الا اللہ پڑھنے والا ہوگا۔ وہ محمد رسول اللہ کہنے والا ہوگا۔ وہ نمازیں پڑھنے والا ہوگا۔ وہ زکوٰۃ دینے والا ہوگا۔ وہ سارے ہی احکام اسلام کی پابندی کرنے والا ہوگا۔ مگر خدا اسے فرمائے گا۔ کہ تمہارا ٹھکانا دوزخ کے سوا اور کہیں نہیں۔ کیونکہ تم قومی غداری کے مجرم ہو۔ تو

قومی غداری ایک نہایت ہی خطرناک جرم ہے

صحابہؓ کو ہی دیکھ لو۔ انہوں نے قومی دیانت کا کیسا شاندار نمونہ دکھایا۔ ایسا اعلےٰ نمونہ کہ شدید ترین دشمن بھی ان کی اس خوبی کا اعتراف کرتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ وہ دنیا پر غالب آئے۔ اور یہی وہ چیز ہے۔ جسے ہم اپنے اندر پیدا کر کے دنیا پر غلبہ حاصل کر سکتے ہیں۔ یقیناً یاد رکھو۔ جو قوم مرنے مارنے پر تلی ہوئی ہو۔ اسے کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ اگر اس پر کوئی حملہ بھی کرے۔ تو مٹتی نہیں۔ بلکہ ابھرتی ہے۔ اور گرتی نہیں۔ بلکہ ترقی کرتی ہے۔

تو تمہارا ایک کام یہ ہے۔ کہ تم نوجوانوں میں قومی دیانت پیدا کرو۔ اسی طرح ان میں تجارتی دیانت پیدا کرو۔ یا زیادہ وسیع لفظ اگر استعمال کیا جائے۔ تو اس کے لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ تم

معاملاتی دیانت

پیدا کرو۔ اور اخلاقی دیانت کے پیدا کرنے سے بھی غافل نہ رہو۔

اگر تم بار بار نوجوانوں کو یہ سبق دو۔ اگر تم دیکھتے رہو۔ کہ تم میں سے کسی میں دیانت کا فقدان تو نہیں ہو رہا۔ اور اگر تم اپنے دوستوں اپنے ہمسایوں اپنے رشتہ داروں اپنے اہل محلہ اور اہل شہر میں یہ روح پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ تو یقیناً تم ایک ایسا کام کرتے ہو۔ جو احمدیت کو زندگی بخشنے والا ہے۔

باقی رہا سچ۔ سو سچ بھی ایک ایسی چیز ہے۔ کہ جس کے بغیر دنیا میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔ سارے فساد اور

لڑائی جھگڑے محض جھوٹ سے پیدا ہوتے ہیں

لوگوں کو اگر ایک دوسرے پر اعتبار نہیں آتا۔ یا تعلقات میں کشیدگی ہوتی ہے۔ تو محض اس لئے کہ وہ سچ نہیں بولتے۔ مگر جس کی سچائی پر لوگوں کو یقین ہو۔ اس کے متعلق وہ ایسی باتیں بھی ماننے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ جن باتوں کو وہ کسی دوسری صورت میں تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

حدیثوں میں آتا ہے۔ کہ ایک دفعہ ایک شخص رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آیا۔ وہ معلوم ہوتا ہے۔ کوئی موٹی عقل کا آدمی تھا۔ جس نے اسلام پر غور کیا۔ مگر اسلام کی صداقت اس پر کسی طرح منکشف نہ ہوئی۔ مگر پھر اس کے دل میں شبہ بھی پیدا ہو جاتا۔ کہ اگر اسلام سچا ہی ہؤا۔ تو میں خدا تعالےٰ کو کیا جواب دوں گا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چونکہ صدوق مشہور تھے۔ اور ہر شخص اس بات

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کو تسلیم کرتا تھا۔ کہ آپ کبھی جھوٹ نہیں بولتے اس لئے اس نے فیصلہ کیا۔ کہ اس امر کا بھی آپ سے ہی فیصلہ کرائے۔ اور اسی شخص سے جو مدعی ہے۔ دریافت کرے۔ کہ کیا وہ اپنے دعوے میں سچا ہے۔ یا نہیں۔ کیا یہ عجیب بات نہیں۔ کہ جو شخص مدعی ہے۔ اسی سے وہ پوچھنے آتا ہے۔ کہ کیا آپ واقعہ میں مدعی ہیں۔ یا یونہی کہہ رہے ہیں۔ وہ چونکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کا قائل نہیں تھا۔ اس لئے اس نے آتے ہی کہا۔ کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں تجھ سے ایک سوال کرتا ہوں۔ تو خدا کی قسم کھا کر مجھے اس کا جواب دے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ بہت اچھا۔ جو بات تم دریافت کرنا چاہتے ہو۔ دریافت کرو۔ اس نے کہا۔ آپ خدا کی قسم کھا کر بتائیں۔ کہ کیا آپ نے جو دعوے کیا ہے۔ یہ خدا کے حکم کے مطابق کیا ہے۔ اور کیا واقعہ میں خدا نے آپ کو رسول بنایا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ کہ مجھے خدا نے ہی رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اس نے کہا۔ اگر یہ بات ہے۔ تو ہاتھ لائیے۔ میں ابھی آپ کی بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ اب مدعی وہی ہے۔ اسی کے سچ اور جھوٹ پر بحث ہے۔ مگر چونکہ دنیوی زندگی میں وہ آپ کی سچائی کا قائل تھا۔ اس لئے اس نے اپنی آخرت بھی آپ کے سپرد کر دی۔ اور فیصلہ کر لیا۔ کہ جب یہ دنیوی معاملات میں جھوٹ نہیں بولتا۔ تو یہ ممکن ہی نہیں۔ کہ دینی معاملات میں جھوٹ بولے۔

تو سچائی ایک ایسی چیز ہے۔ کہ وہ انسان کے رعب کو قائم کر دیتی ہے۔ تم اگر سچ بولو۔ اور نوجوانوں کو سچ بولنے کی ہمیشہ تلقین کرتے رہو۔ تو

تمہارا ایک ایک فرد ہزاروں کے برابر سمجھا جائے گا

لوگ تبلیغ کرتے اور بعض دفعہ شکایت کرتے ہیں۔ کہ اس تبلیغ کا اثر نہیں ہوتا۔ لیکن اگر سچائی کامل طور پر ہماری جماعت میں پھیل جائے۔ اور لوگ بھی یہ محسوس کرنے لگ جائیں۔ کہ اس جماعت کا کوئی فرد جھوٹ نہیں بولتا۔ تو چاہے آج کے لوگ نہ مانیں۔ مگر ان کی اولادیں اس بات پر مجبور ہوں گی۔ کہ احمدیت کی صداقت کو تسلیم کریں۔ کیونکہ جب ان کی اولادیں سنیں گی۔ کہ فلاں شخص تھا تو بڑا سچا۔ مگر ہمیشہ جھوٹ کی طرف لوگوں کو بلاتا رہا۔ تو وہ حیران ہوں گی۔ اور یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوں گی۔ کہ جنہوں نے ان لوگوں کو غلط عقائد میں مبتلا سمجھا۔ انہوں نے غلطی کی۔ تو

نوجوانوں کو سچ بولنے کی عادت ڈالو

اور خدام احمدیہ کے ہر ممبر سے یہ اقرار لو۔ کہ وہ سچ بولے گا۔ اگر وہ کسی وقت سچ نہ بولے۔ تو تم خود اسے سزا دو۔ میں نے بارہا جماعت کو توجہ دلائی ہے۔ کہ یہ طوعی نظام ہے۔ اور

طوعی نظام والے کو سزا دینے کا بھی اختیار ہوتا ہے

پس اگر تم سزا دو۔ تو تمہیں کوئی قانون اس سے نہیں روکتا۔ قانون تمہیں اس بات سے روکتا ہے۔ کہ تم جبرًا کسی کو سزا دو۔ لیکن جو شخص آپ ایک نظام میں شامل ہوتا اور آپ کہتا ہے۔ کہ مجھے بے شک سزا دے لو۔ اسے سزا دینے میں کوئی قانون روک نہیں۔ بے شک بعض قسم کی سزائیں ایسی ہیں۔ جنہیں قانون نے روک دیا ہے۔ مثلاً قتل ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی مرضی سے بھی کہے۔ کہ مجھے قتل کر دو۔ تو دوسرا شخص اسے قتل نہیں کر سکتا۔ یہ صرف حکومت کا ہی کام ہے۔ کہ وہ مجرم کو قتل کی سزا دے لیکن اس سے اتر کر جو معمولی سزائیں ہیں۔ وہ طوعی نظام میں دی جا سکتی ہیں۔ مدرس روز لڑکوں کو پیٹتے ہیں۔ مگر کوئی قانون انہیں اس سے نہیں روکتا۔ اس لئے کہ طالب علم اپنی مرضی سے سکول میں جاتا اور وہ اپنی مرضی سے ایک نظام کا اپنے آپ کو پابند بناتا ہے۔ پس جب وہ اپنی خوشی اور مرضی سے ایک نظام کو قبول کرتا ہے۔ تو اس کا فرض ہے۔ کہ سزا کو بھی برداشت کرے۔ پس تم اپنے اندر اسی شخص کو شامل کرو۔ جو تمہارے نظام کی پابندی کرنے کے لئے تیار ہو۔ اور جب کوئی شخص اس اقرار کے بعد تمہارے نظام میں شریک ہوتا ہے اور پھر کسی عہد کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ تو تمہارا اختیار ہے۔ کہ تم اسے سزا دو۔ پس

اگر کوئی جھوٹ بولے تو تم خود اسے سزا دو

اور جس طرح مرغی اپنے بچوں کی حفاظت کرتی ہے۔ اسی طرح تم سچائی کی حفاظت کرو۔ مرغی کس قدر کمزور جانور ہے۔ لیکن جب اس کے بچوں پر کوئی بلی یا کتا حملہ کر دے۔ تو وہ بلی اور کتے کا بھی مقابلہ کر لیتی ہے۔ پس جس طرح وہ اپنے بچوں کی حفاظت کرتی ہے اسی طرح تم سچ کی حفاظت کرو۔ اور

کوشش کرو۔ کہ تمہارا ہر ممبر سچا ہو

اور سچائی میں تمہارا نام اس قدر روشن ہو جائے۔ کہ خدام الاحمدیہ کا ممبر ہونا ہی اس بات کی ضمانت ہو۔ کہ کہنے والے نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ صحیح ہے۔ اور جب بھی لوگ ایسے شخص کے منہ سے کوئی روایت سنیں۔ وہ کہیں۔ کہ یہ روایت غلط نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس کا بیان کرنے والا خدام الاحمدیہ کا ممبر ہے۔ جب تم اس مقام کو حاصل کر لوگے۔ تو تمہاری تبلیغ کا اثر اتنا وسیع ہو جائے گا۔ کہ اسکی کوئی حد ہی نہیں۔ اور تم ہزاروں عیوب قوم میں سے دور کرنے کے قابل ہو جاؤ گے۔ پس دیانت اور سچائی کو خاص طور پر اخلاق فاضلہ میں سے چن لو۔ اور بھی بہت سے ضروری اخلاق ہیں۔ مگر ان دو اخلاق کو میں نے خصوصیت کے ساتھ چنا ہے۔ ان کو ہمیشہ اپنے مدنظر رکھو۔ اور ان کے علاوہ بھی جس قدر نیک اخلاق ہیں۔ وہ اپنے اندر پیدا کرو۔ مثلاً

اعلیٰ اخلاق میں سے ایک ظلم نہ کرنا ہے

مگر چونکہ خدام الاحمدیہ کے اساسی اصول میں خدمت خلق بھی شامل ہے۔ اس نے میں نے علیحدہ اس کو بیان نہیں کیا۔ کیونکہ وہ شخص جس کا فرض یہ ہو۔ کہ وہ دوسروں کی خدمت کرے۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کر سکتا۔ پس میں نے اس کو اسی لئے چھوڑ دیا ہے۔ کہ یہ بات تمہارے نام اور تمہارے

اساسی اصول

کے اندر شامل ہے۔ لیکن بہر حال اور جس قدر اچھے اخلاق ہیں۔ وہ سب اپنے اندر پیدا کرو۔ انسان اگر تلاش کرے۔ تو اسے بیسیوں اخلاق معلوم ہو سکتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ میں نے بتایا ہے۔ یہ دو اہم اخلاق ہیں۔ جن کا اپنے اندر پیدا کرنا نہایت ضروری ہے۔ ایک دیانت اور دوسرا سچ۔

ان کے علاوہ ایک اور بھی اہم خلق ہے۔ مگر اس کا ذکر انشاء اللہ پھر کروں گا۔ بہر حال اخلاق فاضلہ میں سے سچ اور دیانت کو اپنے اندر پیدا کرنے کی خاص طور پر کوشش کرو۔ اگر تم ان دو اخلاق کو جماعت کے اندر پیدا کرنے کی خاص طور پر کوشش کرو۔ اگر تم ان دو اخلاق کو جماعت کے اندر پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاؤ۔ تو تم جماعت کی اتنی بڑی خدمت کرتے ہو۔ کہ اسکی قیمت کوئی انسان نہیں لگا سکتا۔ صرف اللہ تعالےٰ کی ذات ہی جو عالم الغیب ہے۔ اور جو وسیع سے وسیع گہرائیوں کو ناپ سکتی ہے۔ تمہاری اس خدمت کا اندازہ لگا سکتی اور تمہیں بڑے سے بڑا بدلہ دے سکتی ہے۔

چونکہ اب وقت زیادہ ہو گیا ہے۔ اس لئے میں اسی بات کے بیان پر اکتفا کرتا ہوں۔ (الفضل)

نہایت باموقع اراضی قابل فروخت

ایک دوست اپنی محض ضروریات کے ماتحت دو کنال اراضی قیمتی ۸۰۰ روپیہ واقعہ محلہ دار الحمد ریلوے اسٹیشن کے جانب جنوب دو تین منٹ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ فروخت کرنا چاہتے ہیں یکمشت روپیہ دینے والے دوست کو ۶۰۰ روپیہ میں فروخت کر دی جاویگی۔ خط و کتابت معرفت ایڈیٹر فاروق کی جاوے۔ (حامد حسین خاں)

درد گردہ یا گردہ کی پتھری

یہ دونوں نام دراصل ایک ہی بیماری کے ہیں جب گردوں میں پتھری پیدا ہو جاتی ہے۔ تو صرف پیدا ہو جانے سے چنداں تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔ ہاں اس قدر معلوم ہوتا ہے۔ کہ گردوں کی جگہ پر ذرا بوجھ سا ہے۔ (گردوں کا مقام کمر سے ذرا اوپر ریڑھ کی ہڈی کے دائیں اور بائیں واقعہ ہے) جن کے گردوں میں پتھری ہوتی ہے۔ ان کو ہمیشہ یا کبھی کبھی قبض ہو جاتا ہے۔ یعنی پاخانہ کھل کر نہیں آتا۔ دیر تک بیٹھنا پڑتا ہے۔ اور بعض لوگوں کو کمر میں درد بھی رہتا ہے۔ گرم اور ترش چیزیں یعنی گوشت سرخ مرچ اچار وغیرہ کھانے سے اور گرم موسم میں سفر کرنے سے پیشاب جل کر آتا ہے۔ اور بعض کو ریت سی چیز پیشاب میں خارج ہوتی ہے۔ لیکن جب پتھری سے چھوٹا سا ٹکڑا ٹوٹ کر پیشاب کی نالیوں میں پھنس جاتا ہے۔ تو پھر خدا کی پناہ۔ شدت سے درد ہوتا ہے۔ جو برداشت سے باہر ہوتا ہے۔ اسی کا نام درد گردہ یا قولنج گردہ ہے۔

علاج۔ ڈاکٹروں میں تو یہی مشہور ہے۔ کہ اپریشن سے پتھری نکال دی جائے۔ لیکن یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ جان کا خطرہ اور خرچ زیادہ۔

ہمارا طرز علاج:۔ "پتھری توڑ نمبر ۱"

یہ ایک خاص دوا ہے۔ جو اس بیماری کا کامیاب علاج ہے اس کے استعمال سے پتھری گھل کر پیشاب کے ساتھ خارج ہوتی رہتی ہے۔ حتیٰ کہ ساری خارج ہو جاتی ہے۔ اور گردے بالکل خالی ہو جاتے ہیں۔ یہ دوا تلخ اور بد مزا نہیں۔ قدرے نمکین ہے۔ آسانی سے کھائی جاتی ہے۔ تین ماہ تک کھانی چاہیئے۔ تین ماہ کی دوا کی قیمت چھ روپے ہے اور اگر قبض بھی ہو۔ تو قبض کشا گولیاں نمبر ۱" کا استعمال کریں۔ ۶۰ گولیوں کی شیشی کی قیمت ایک روپیہ ۱۔ دواخانہ ... مطب حکیم مولوی نظام الدین ممتاز الاطباء۔ قادیان۔ ضلع گورداسپور

Digitized by Khilafat Library Rabwah

خطبہ جمعہ مورخہ ۲۴ر فروری ۳۹ء

جماعت کے افراد میں ہاتھ سے کام کرنے کی عادت پیدا کی جائے

کسی جائز کام کے ذلیل ہونے کا احساس مٹا دیا جائے

فرمودہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ

سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:- خدام الاحمدیہ کے مقاصد میں سے چار کے متعلق میں اس وقت تک توجہ دلا چکا ہوں۔ اور آج پانچویں امر کے متعلق توجہ دلاتا ہوں۔ اور وہ

ہاتھ سے کام کرنے کی عادت

ہے۔ یہ معاملہ بظاہر چھوٹا سا نظر آتا ہے لیکن دراصل یہ اپنے اندر اتنے فوائد اور اتنی اہمیت رکھتا ہے۔ کہ اس کا اندازہ الفاظ میں نہیں کیا جا سکتا۔ دراصل دنیا کی اقتصادی حالت اور اخلاقی حالت اور اس کے نتیجہ میں مذہبی حالت جو ہے۔ اس پر علاوہ دینی مسائل کے جو چیزیں اثر انداز ہوتی ہیں۔ ان میں سے یہ مسئلہ بہت ہی اہمیت رکھتا ہے۔

اقتصادی اور اخلاقی حالت کی تباہی

بہت کچھ مبنی ہے۔ ان دو باتوں پر۔ کہ دنیا میں بعض لوگ کام کرنا چاہتے ہیں۔ اور ان کو کام ملتا نہیں۔ اور بعض ایسے لوگ ہیں۔ کہ انہیں کام کرنے کے مواقع میسر ہیں۔ مگر وہ کام کرتے نہیں۔ یہ تمام آج کل کی لڑائیاں۔ یہ بالشوازم۔ یہ فیسی ازم کی تحریکیں سوشلزم اور کیپیٹلزم کے دنیا پر حملے یہ سب درحقیقت اسی چھوٹے سے نقطہ کے ارد گرد گھوم رہے ہیں۔ لاکھوں۔ کروڑوں انسان ہیں۔ جو چاہتے ہیں۔ کہ کام کریں۔ مگر انہیں کام میسر نہیں آتا اور

لاکھوں کروڑوں انسان

ایسے ہیں۔ جو کام کر سکتے ہیں۔ مگر کرتے نہیں۔ جو لوگ کام کرنا چاہتے ہیں۔ مگر انہیں ملتا نہیں۔ اس کی بنیاد بھی درحقیقت اسی مسئلہ پر ہے۔ کہ کچھ لوگ دنیا میں ایسے ہیں۔ کہ جو کام کر سکتے ہیں۔ انہیں مواقع میسر ہیں۔ مگر وہ کرتے نہیں۔ یہ لوگ آگے پھر

دو گروہوں میں تقسیم شدہ

ہیں۔ ایک وہ جن کے پاس اتنی دولت ہے کہ وہ یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ باقی دنیا کو ہماری خدمت کرنی چاہیئے۔ اور ہم گویا ایک ایسا وجود ہیں۔ جو دنیا سے خدمت لینے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ یہ گروہ فطرتی طور پر اس ہتھیار کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور جو اسے لوگوں سے زیادہ سے زیادہ

خدمت لینے کے قابل

کر دے۔ اور وہ دولت ہے۔ جب انسان یہ سمجھے۔ کہ اسکی عزت اور امن و راحت کا انحصار دولت پر ہے۔ تو وہ لازمی طور پر اپنی دولت کو بڑھانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ ایک

طبعی چیز

ہے۔ ہم اس اصول کو غلط کہہ سکتے ہیں۔ کہ دنیا میں دولت سے عزت اور راحت حاصل ہوتی ہے۔ مگر یہ ہم نہیں کہہ سکتے۔ کہ جو شخص یہ سمجھتا ہے۔ وہ اسے بڑھانے میں غلطی کرتا ہے۔ وہ اپنے نقطۂ نگاہ سے بالکل صحیح کرتا ہے۔ مومن یہ سمجھتا ہے۔ کہ اسکی ساری عزت خدا تعالےٰ کے ساتھ تعلق میں ہے۔ اور کیا ہم اسے روکیں گے۔ کہ یہ تعلق نہ بڑھا۔ یا اگر وہ یہ کوشش کرے تو ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہ غیر طبعی فعل کرتا ہے جب اس کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ

تمام عزتیں اور راحتیں

خدا تعالےٰ سے تعلق کے ساتھ وابستہ ہیں۔ تو وہ قدرتی طور پر کوشش کریگا۔ کہ اس تعلق کو بڑھائے۔ اسی طرح جو شخص یہ سمجھتا ہے۔ کہ اسکی ساری عزت اور راحت و امن دولت میں ہے۔ تو ضرور ہے۔ کہ وہ دولت کو بڑھانے کی کوشش کرے گا۔ اور اسکی اس کوشش پر ہم کوئی اعتراض نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ طبعی تقاضا ہے۔ ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں۔ کہ اس کا یہ خیال غلط ہے۔ کہ ساری عزت اور راحت دولت سے وابستہ ہے۔ لیکن یہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ یہ عقیدہ رکھتے ہوئے دولت میں اضافہ کی کوشش کرنا

غیر طبعی فعل

ہے۔ جس طرح ہم اس شخص کو جو یہ عقیدہ رکھتا ہے۔ کہ عزت اور راحت تعلق باللہ میں ہے۔ اس سے باز نہیں رکھ سکتے۔ کہ وہ خدا تعالےٰ سے تعلق بڑھائے۔ دنیا میں ہزاروں لاکھوں انبیاء آئے ہیں۔ جن کی زندگی کا دارومدار اور انحصار ہی تعلق باللہ پر ہوتا ہے۔ اور پھر ان کے ساتھ تعلق رکھنے والوں کا اسی تعلیم پر یقین ہوتا ہے۔ لوگوں نے کس طرح کوششیں کیں۔ کہ ان کو اس راستہ سے ہٹا دیں۔ مگر کیا انہوں نے اسکو چھوڑا۔ ان کو طرح طرح کے عذاب دیئے گئے۔ دکھ پہنچائے گئے۔ مگر انہوں نے اپنا راستہ نہ چھوڑا۔ کیونکہ ان کا یہی عقیدہ تھا۔ کہ تمام عزت اور راحت اسی سے ہے۔ اس طرح جس شخص کو یہ یقین ہو۔ کہ اسکی ساری عزت و راحت دولت جمع کرنے میں ہے۔ خواہ کتنی کوشش کی جائے۔ وہ دولت جمع کرنا کبھی نہیں چھوڑے گا۔

دوسری طرف جب ہم قرآن کریم کو دیکھتے ہیں۔ تو اس میں دولت کمانے سے منع نہیں کیا گیا۔ قرآن کریم میں مومن اور خالص مومنوں کے لئے بعض احکام ہیں۔ اور ان میں

ڈھیروں ڈھیر مال

کا ذکر ہے۔ چنانچہ حکم ہے۔ کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو ڈھیروں ڈھیر مال بھی دیا ہو۔ تب بھی یہ جائز نہیں۔ کہ طلاق دیتے وقت اسے واپس لے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ ڈھیروں ڈھیر مال کسی کے پاس ہوگا تو دے گا۔ نہیں تو کہاں سے دیگا۔ کنگال آدمی ڈھیروں ڈھیر مال کہاں سے دے سکتا ہے۔ اگر دولت کمانا منع ہوتا۔ تو ایسی مثالیں بھی قرآن کریم میں نہ ہوتیں۔ پھر قرآن کریم میں

زکوٰۃ کا حکم

ہے۔ جو مال پر ہی دی جاتی ہے۔ پھر تقسیم ورثہ کا حکم ہے۔ اگر دولت کمانا جائز نہ ہوتا۔ تو تقسیم ورثہ کا حکم ہی نہ ہوتا۔ اور اسی طرح صدقہ خیرات کے حکم بھی قرآن کریم میں نہ ہوتے۔ اگر یہ احکام یونہی تھے تو یہ کیوں نہ بتایا۔ کہ اگر کسی کے گھر میں شراب کا مٹکا ہو۔ تو اسے یوں تقسیم کیا جائے۔ یا یہ کہ کسی مسلمان کے گھر میں سؤر کا گوشت ہو۔ تو اسے یوں تقسیم کیا جائے۔

پس اگر دولت کمانا اسلام میں منع ہوتا۔ تو ایسے احکام بھی نہ ہوتے۔ اسلام نے

دولت کمانے سے منع نہیں کیا

بلکہ جس چیز کو منع کیا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ انسان اس دولت کو محفوظ کر کے ایسے رنگ میں رکھ لیتا ہے۔ کہ دنیا کو اس کے فائدہ سے محروم کر دیتا ہے۔ روپیہ کو بنکوں میں جمع رکھا جاتا ہے۔ یا خزانوں میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ اور اس طرح خود تو اس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ مگر وہ دولت دوسروں کے کام نہیں آسکتی۔ جس چیز سے اسلام روکتا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ اس طرح دولت کو محفوظ نہ کر لو۔ کہ دوسرے

اس کے فائدہ سے محروم

رہ جائیں۔ اور یہ کہ سود نہ لو۔ کیونکہ اس سے دولت چند لوگوں کے ہاتھوں میں جمع ہو جاتی ہے۔ اور باقی لوگ محروم رہ جاتے ہیں۔ جس دولت سے دنیا کو فائدہ پہنچے۔ اس سے اسلام نے نہیں روکا۔ جس کا فائدہ صرف مالک کو ہو۔ اس سے روکتا ہے۔ جو لوگ سود پر روپیہ لیتے ہیں۔ لوگ ان کو کروڑوں روپیہ دے دیتے ہیں۔ کہ نفع ملے گا۔ اس طرح وہ روپیہ سمیٹ لیتے ہیں۔ اور روپیہ

چند ہاتھوں میں جمع

ہو جاتا ہے۔ پہلے تو لوگ ان کو اس لئے روپیہ دیتے ہیں۔ کہ سود ملے گا۔ لیکن آخر کار ان کے دست نگر ہو جاتے ہیں۔ اور اس طرح جو روپیہ جمع کرتے ہیں۔ وہ کوشش کرتے ہیں۔ کہ روپیہ جمع کرتے چلے جائیں۔ تا دوسروں سے غلامی کروا سکیں۔ اور خدمت کروا سکیں۔ اس چیز سے قرآن کریم نے منع کیا ہے۔ اور فرمایا ہے۔ کہ جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں۔ قیامت کے دن اسے جلا کر ان کے بدن کو داغ دیا جائے گا۔ اس

سونا چاندی سے مراد

استعمال والا سونا چاندی نہیں۔ جو جائز طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں زکوٰۃ کا حکم ہے۔ اور حدیثوں میں یہ تفاصیل بیان کی گئی ہیں۔ کہ اتنے سونے اور اتنی چاندی پر اتنی زکوٰۃ دینی چاہیئے۔ اگر سونا چاندی پاس رکھنا ہی منع ہوتا۔ تو اس پر زکوٰۃ کے کوئی معنے ہی نہ تھے۔ کیا شراب پر بھی کوئی زکوٰۃ ہے۔ تو یہ درمیانی رستہ ہے۔ جو اسلام نے بتایا ہے۔ اور ایسی دولت سے منع کیا ہے۔ جس کے فائدہ سے دوسرے لوگ محروم رہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

جائیں۔ جو لوگ اس طرح دولت جمع کرتے ہیں۔ وہ آرام طلب ہو جاتے ہیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں۔ جو ہاتھ سے کام نہیں کرتے۔ ان کے مدنظر ہمیشہ یہ ہوتا ہے۔ کہ ان کے پاس روپیہ ہو۔ تو لوگوں سے کام لیں۔ خود چارپائی پر بیٹھے ہیں۔ اور دوسرے کو حکم دیتے ہیں۔ کہ پاخانہ میں لوٹا رکھ آؤ۔ اور اس قدر نکمے ہو جاتے ہیں۔ کہ پاخانہ سے واپس آتے ہوئے لوٹا وہیں چھوڑ آتے ہیں۔ اور پھر کہتے ہیں۔ کہ او کمبخت کہاں گیا۔ جا لوٹا اٹھا لا۔ ان کو کوئی کام کرنا نصیب ہی نہیں ہوتا۔ اور چونکہ ان کو دوسروں سے کام لینے کی عادت ہو جاتی ہے۔ اس لئے یہی لوگ ہیں۔ جو دنیا میں

غلامی کو قائم رکھنا

چاہتے ہیں۔ بلکہ ان کا وجود غلامی کا منبع ہوتا ہے۔ اور دنیا میں ان کے ذریعہ غلامی اس طرح پھیلتی ہے۔ جس طرح طاعون کے کیڑوں سے طاعون پھیلتی ہے۔ یہ لوگ چاہتے ہیں۔ کہ دنیا کی حالت ایسی رہے۔ کہ اس میں ایک طبقہ ایسے لوگوں کا رہے۔ جو ان کی خدمت کرتے رہیں۔ اور وہ اس کے لئے کوشش بھی کرتے رہتے ہیں۔ جس طرح حکومت کو گھوڑوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اس کے لئے وہ زمینداروں کو مربعے دیتی ہے۔ کہ گھوڑے پالیں۔ اسی طرح جو لوگ اس بات کے عادی ہوتے ہیں۔ کہ ہاتھ سے کام نہ کریں۔ یا بعض کاموں میں اپنی ہتک سمجھیں۔ وہ لازماً کوشش کرتے ہیں۔ کہ

دنیا کا کچھ حصہ غریب

رہے۔ اور ان کی خدمت کرتا رہے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں۔ کہ اگر دنیا کی حالت اچھی ہو جائے۔ تو وہ کام کس سے لیں گے۔ یہ باریک باتیں شاید زمینداروں کی سمجھ میں نہ آسکیں۔ اس لئے میں اسے ایک موٹی مثال سے واضح کر دیتا ہوں۔ جس سے ہر شخص اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے ایک دفعہ مجھے اطلاع ملی۔ کہ شکرگڑھ کی تحصیل میں بعض ادنےٰ اقوام ہیں۔ جن کو آریہ ہندو بنا رہے ہیں۔ اور مجھے اطلاع ملی۔ کہ وہ لوگ چاہتے ہیں۔ کہ اگر مسلمان ہم کو اپنے ساتھ ملا لیں۔ تو ہم مسلمان ہو جائیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں۔ کہ ہندو ہو کر بھی ہماری حالت اچھی نہ ہوگی۔ کئی پیغام مجھے آئے۔ اور میں نے ایک دو مبلغ وہاں بھیجدیئے۔ کہ جا کر ان میں تبلیغ کریں۔ اور پھر ہم ان کے لئے انتظام کرنے کی کوشش کریں گے۔ پہلے پہل تو مجھے رپورٹ ملتی رہی۔ کہ وہاں بڑا اچھا کام ہو رہا ہے۔ اور امید ہے۔ کہ

سینکڑوں ہزاروں لوگ

اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ مگر دس بارہ روز کے بعد یہ رپورٹیں آنی شروع ہوئیں۔ کہ سخت مخالفت ہو رہی ہے۔ اور ہمارے مبلغوں کو لوگ اپنے گاؤں میں ٹھہرنے تک نہیں دیتے۔ یہ رپورٹیں سنکر مجھے حیرانی ہوئی۔ کیونکہ وہ سارا علاقہ مسلمانوں کا ہے۔ اور مجھے امید تھی۔ کہ مسلمان ضرور مدد کریں گے۔ لیکن مجھے بتایا گیا۔ کہ اسی علاقہ کے ذیلدار نے جو مسلمان ہے۔ سب کام چھوڑ چھاڑ کر ہماری مخالفت شروع کر رکھی ہے۔ اور بعض نمبرداروں کو ساتھ لے کر وہ ہمارے آدمیوں کے پیچھے پیچھے پھرتا اور ہر گاؤں میں پہنچ کر لوگوں سے کہتا ہے۔ کہ ان کو یہاں ٹکنے نہ دو۔ اور اس کی وجہ وہ یہ بتاتا ہے۔ کہ اگر انہوں نے ان لوگوں کو مسلمان بنا لیا۔ تو پھر ہمارے جو جانور مرجایا کریں گے۔ انہیں کون اٹھا کر لے جایا کرے گا۔ اور ان کی کھالیں کون اتارا کرے گا۔ اگر ان لوگوں میں یہ عادت نہ ہوتی۔ کہ

ایک خاص قسم کے کام

نہیں کرنے۔ تو ان کو اس مخالفت کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ تو بعض قسم کے کام کرنا امراء اپنی ہتک سمجھتے ہیں۔ زمینداروں میں بھی یہ عادت ہے۔ کہ وہ بعض خاص قسم کے کام خود کرنا ہتک سمجھتے ہیں۔ اور ان کو کمیوں کے کام سمجھتے ہیں۔ ان کمیوں کی اصلاح کا سوال جب بھی پیدا ہوگا۔ زمیندار فوراً لڑائی پر آمادہ ہو جائیں گے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں۔ کہ اس طرح ہمارے کام رک جائیں گے۔ جب قادیان میں

چوہڑوں کو اسلام میں داخل

کرنے کا سوال پیدا ہوا۔ تو میری حیرانی کی کوئی حد نہ رہی۔ کہ بعض احمدیوں نے مجھ سے کہا۔ کہ اگر یہ لوگ مسلمان ہو گئے۔ تو ہمارے گھروں کی صفائی کون کرے گا۔ یہ دقت ان کو صرف اس وجہ سے نظر آئی۔ کہ ان کو ایک خاص قسم کا کام کرنے کی بالکل عادت نہ تھی۔ اور جسے بالکل ہی کام کرنے کی عادت نہ ہو۔ اسے غصہ آئے گا۔ جب وہ یہ محسوس کرے گا۔ کہ اب اسکی خدمت کرنے والے نہیں رہیں گے۔ اگر زمینداروں کو یہ عادت ہوتی۔ کہ اپنے مردہ جانوروں کو خود ہی باہر پھینک دیں۔ تو شکرگڑھ کی تحصیل کے زمیندار ہماری مخالفت نہ کرتے۔ تو میرا مطلب یہ ہے۔ کہ ایک تو

کام کرنے کی عادت

پیدا کی جائے۔ اور دوسرے کسی کام کو ذلیل نہ سمجھا جائے۔ ہاں نوکر رکھ لینا اور بات ہے۔ اگر کسی کا کام زیادہ ہو۔ جسے وہ خود نہ کر سکتا ہو۔ تو وہ کسی کو مددگار کے طور پر رکھ سکتا ہے۔ بعض بڑے زمیندار بھی اپنے ساتھ ہالی رکھ لیتے ہیں۔ لیکن اس کے یہ معنے نہیں۔ کہ وہ خود اپنے ہاتھ سے ہل نہیں چلاتے۔ وہ خود بھی چلاتے ہیں۔ اس لئے ان کو یہ فکر نہیں ہوتا۔ کہ اگر ہالی نہ رہے۔ تو وہ کیا کریں گے۔ کیونکہ وہ خود بھی ہل چلانے میں عار نہیں سمجھتے۔ لیکن جن کاموں کو لوگ

اپنے لئے عار

سمجھتے ہیں۔ ان کے کرنے والوں کی اصلاح کا اگر سوال پیدا ہو۔ تو وہ ضرور ناراض ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں۔ کہ اس کے بعد یہ ہتک والا کام ہمیں خود کرنا پڑے گا۔ اور اسلیئے جب میں کہتا ہوں۔ کہ ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ڈالنی چاہیئے۔ تو اسمیں دونوں باتیں شامل ہیں۔ یعنی یہ بھی اس میں شامل ہے۔ کہ کسی کام کو اپنے لئے عار نہ سمجھا جائے۔ یوں تو سارے ہی لوگ ہاتھ سے کام کرتے ہیں۔ میں جو لکھتا ہوں۔ یہ بھی ہاتھ سے ہی کام ہے۔ کیا ہاتھ سے نہیں۔ تو زبان سے لکھا جاتا ہے۔

میں ہاتھ سے کام کرنے کو جب میں کہتا ہوں تو اس کے معنے یہ ہیں۔ کہ وہ عام کام جن کو دنیا میں

عام طور پر بُرا

سمجھا جاتا ہے۔ ان کو بھی کرنے کی عادت ڈالی جائے۔ مثلاً مٹی ڈھونا۔ یا ٹوکری اٹھانا ہے۔ کہئی چلانا ہے۔

اوسط طبقہ اور امیر طبقہ کے لوگ

یہ کام اگر کبھی کبھی کریں۔ تو یہ ہاتھ سے کام کرنا ہوگا۔ ورنہ یوں تو سب ہی ہاتھ سے کام کرتے ہیں۔ یہ کام ہمارے جیسے لوگوں کے لئے ہیں۔ کیونکہ ہمیں ان کی عادت نہیں۔ اگر ہم نے اسکی طرف توجہ نہ کی۔ تو ہو سکتا ہے۔ کہ ہماری عادتیں ایسی خراب ہو جائیں۔ یا اگر ہماری نہ ہوں۔ تو ہماری اولادوں کی عادتیں ایسی خراب ہو جائیں۔ کہ وہ ان کو بُرا سمجھنے لگیں۔ اور پھر کوشش کریں۔ کہ دنیا میں ایسے لوگ باقی رہیں۔ جو ایسے کام کیا کریں۔ اور

اسی کا نام غلامی

ہے۔

پس جائز کام کرنے کی عادت ہر شخص کو ہونی چاہیئے۔ تا کسی کام کے متعلق یہ خیال نہ ہو۔ کہ یہ بُرا ہے۔ ہمارے ملک کی ذہنیت ایسی بُری ہے۔ کہ عام طور پر لوگ لوہار۔ ترکھان وغیرہ کو کمیں سمجھتے ہیں۔ اور جس طرح یہ لوہار۔ ترکھان اور چوہڑوں کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے لوگ ان کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ اگر کسی شخص کا لڑکا پولیس یا فوج میں سپاہی ہو جائے۔ اور ستر روپیہ ماہوار تنخواہ پانے لگے۔ تو اس پر بہت خوشی کی جاتی ہے۔ لیکن اگر وہ پچاس ساٹھ روپیہ ماہوار کمانے والا ترکھان یا لوہار بن جائے۔ تو تمام قوم روئے گی۔ کہ اس نے ہماری ناک کاٹ ڈالی۔ کیونکہ اسے

کمیوں کا کام

سمجھا جاتا ہے۔ تو میرا مطلب یہ ہے۔ کہ اس قسم کے کاموں کی جماعت میں عادت ڈالی جائے۔ ایک طرف تو کام کرنے کی عادت ہو۔ اور دوسری طرف ایسے کاموں کو عیب نہ سمجھنے کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ جماعت کا کوئی طبقہ ایسا نہیں رہے گا۔ کہ جو کسی حالت میں بھی یہ کوشش کرے۔ کہ دنیا میں ضرور کوئی نہ کوئی حصہ غلام رہے۔ اور اگر کبھی اسکی

اصلاح کا سوال

پیدا ہو۔ تو اس میں روک بنے۔ جیسے جب یہاں چوہڑوں کو داخل اسلام کرنے کا سوال پیدا ہوا۔ تو بعض لوگ گھبرانے لگے تھے۔ جماعت کے کچھ لوگ بڑھئی بنیں۔ کچھ لوہار بنیں کچھ ملازمتیں کریں۔ غرضیکہ کوئی خاص کام کسی سے منسوب نہ ہو۔ تا وہ ذلیل نہ سمجھا جائے۔ اس تحریک سے

دو ضروری فوائد

حاصل ہوں گے۔ ایک تو نکماپن دور ہوگا۔ اور دوسرے غلامی کو قائم رکھنے والی روح کبھی پیدا نہ ہوگی۔ یہ فیصلہ کر لینا چاہیئے۔ کہ فلاں کام بُرا ہے۔ اور فلاں اچھا ہے۔ بُرا کام کوئی نہ کرے۔ اور اچھا چھوٹے بڑے سب کریں۔ بُرا کام مثلاً چوری ہے۔ یہ کوئی بھی نہ کرے۔ اور جو اچھے ہیں ان میں سے کسی کو عار نہ سمجھا جائے۔ تا اس کے کرنے والے ذلیل نہ سمجھے جائیں۔ اور جب دنیا میں یہ مادہ پیدا ہو جائے۔ کہ کام کرنا ہے۔ اور نکما نہیں رہنا۔ اور کسی کام کو ذلیل نہیں سمجھنا۔ تو اس طرح کوئی طبقہ ایسا نہیں رہے گا۔ جو

دنیا میں غلامی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

چاہتا ہو۔ اس لئے میں نے کوشش کی تھی۔ کہ ملازموں کی تنخواہیں بڑھ جائیں۔ تا لوگ ملازم کم رکھیں۔ اور اپنے کام خود کریں۔

اب تو یہ حالت ہے۔ کہ نوکر دو چار روپے میں مل جاتے ہیں۔ اس لئے ذرا کسی کے پاس پیسے ہوتے ہیں۔ تو جھٹ وہ نوکر رکھ لیتا ہے۔ اور اس طرح اس میں سستی اور غفلت پیدا ہو جاتی ہے۔ ہمارے ملک میں یہ سستی اور غفلت اس حد تک ترقی کر گئی ہے۔ کہ معمولی لوگ بھی

اپنا اسباب اٹھانا ہتک

سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ولایت میں بڑے بڑے لکھ پتی خود اپنے اسباب اٹھا لیتے ہیں۔ جب میں ولایت گیا۔ تو میرے ساتھی باوجود یکہ غربا کے طبقہ میں سے ہی تھے۔ امراء تو ہم میں ہیں ہی نہیں۔ سب غریب طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود وہ اپنا اسباب اٹھانے سے گھبراتے تھے۔ جب میں فرانس میں سے گزرا۔ تو امریکہ کے کچھ لوگ میرے ہم سفر تھے۔ اور وہ دس بارہ آدمی تھے۔ جو یورپ کی سیر کرنے کے لئے آئے تھے۔ ان کے تمول کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ وہ ایسے ہوٹلوں میں ٹھہرتے تھے۔ جہاں پندرہ بیس روپیہ روزانہ فی کس خرچ ہوتا ہے۔ اور اس طرح میرا اندازہ ہے۔ کہ ان کا کھانے پینے کا خرچ چار پانچ ہزار روپیہ ماہوار ہوگا۔ کرائے الگ تھے۔ وہ فرسٹ کلاس میں سفر کرتے تھے۔ اور اس طرح پندرہ بیس ہزار روپیہ ان کا کرایوں وغیرہ بھی خرچ ہوا ہوگا۔ اور اس طرح میرا اندازہ ہے۔ کہ ان کا کل خرچ ساٹھ ستر ہزار روپیہ ہوا ہوگا۔ جس سے ان کے تمول کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔ لیکن جب وہ گاڑی سے اترے۔ تو میں نے دیکھا۔ کہ ان میں سے ہر ایک

دو دو تین تین گٹھڑیاں اور بکس

اٹھائے جا رہا ہے۔ مگر ہمارے دوستوں کی یہ حالت تھی۔ کہ مجھے تو انہوں نے کہہ دیا۔ کہ آپ چلیے۔ ہم اسباب لاتے ہیں۔ میں ان کی باتوں میں آگیا۔ اور آگے چلا آیا۔ مگر بہت دیر ہو گئی۔ اور کوئی نہ آیا۔ اور جہاز کے افسر نے بھی مجھے کہا۔ کہ آپ سوار ہوں۔ جہاز بالکل روانہ ہونے کے لئے تیار ہے۔ مگر میں نے کہا۔ کہ ابھی تو میرے ساتھی اور اسباب نہیں آیا۔ آخر میں واپس آیا۔ اور وجہ دریافت کی۔ تو معلوم ہؤا۔ کہ

اسباب اٹھانے کے لئے قلی

نہیں ملتے۔ اور ہمارے دوست حیران تھے۔ کہ کیا کریں۔ اس وقت اتفاقاً کچھ آدمیوں کا انتظام سٹیشن والوں نے کر دیا۔ اور کچھ سامان ہمارے بعض دوستوں نے اٹھایا۔ اور اس طرح جہاز پر پہنچے۔ جب ہم لنڈن پہنچے۔ تو دوسرے روز ہی مجھے معلوم ہؤا۔ کہ ہماری پارٹی میں اختلاف ہے۔ بعض چہروں سے بھی ناراضگی کے آثار دکھائی دیتے تھے۔ میں نے تحقیقات کی۔ کہ اسکی وجہ کیا ہے۔ تو معلوم ہؤا۔ کہ جب گاڑی سے اترے۔ تو یہ سوال پیدا ہؤا۔ کہ سامان مکان کی چھت پر پہنچانے کے لئے قلیوں کی ضرورت ہے۔ مگر قلی ملتے نہیں۔ چودھری ظفر اللہ خاں صاحب ان دنوں وہاں تھے۔ اور ہمارے ساتھ ہی ٹھہرے تھے۔ اور

مکان کے انتظام کے لئے

پہلے سے مکان میں آگئے تھے۔ مجھے بتایا گیا۔ کہ جب انہوں نے یہ حال دیکھا۔ تو اپنے ایک جرمن معزز دوست کے ساتھ مل کر انہوں نے اسباب اوپر پہنچانا شروع کیا۔ جس پر بعض اور دوست بھی شامل ہو گئے۔ اور چونکہ چودھری صاحب نے ملامت کی۔ کہ آپ لوگ خود کیوں اسباب نہیں اٹھاتے۔ بعض ساتھیوں نے اسے برا منایا۔ اور رنجش پیدا ہوئی۔ جن صاحب کو یہ امر سب سے زیادہ برا لگا۔ وہ ہماری جماعت کے

تازہ باغیوں کے سردار صاحب

تھے۔ لیکن یورپ کے لوگ اس بات میں کوئی عار نہیں سمجھتے۔ وہاں بھی ایسے لوگ ہیں۔ جو دوسروں سے کام لیتے ہیں۔ مگر سفر وغیرہ کے مواقع پر اسباب اٹھانے میں وہ بھی تامل نہیں کرتے۔

غرض کام نہ کرنے کی عادت انسان کو بہت خراب کرتی ہے۔ کسی ملک میں جو مثالیں بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ وہ در اصل اس ملک کی حالت پر دلالت کرتی ہیں۔ اور

قوم کا کیریکٹر

ان میں بیان ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں یہ مشہور ہے۔ کہ کوئی سپاہی سفر پر جا رہا تھا کہ اسے آوازیں آنی شروع ہوئیں۔ کہ میاں سپاہی ذرا ادھر آنا اور جلدی آنا بڑا ضروری کام ہے۔ وہ ایک ضروری کام سے جا رہا تھا۔ اور پچاس ساٹھ گز کے فاصلہ سے اسے یہ آواز آ رہی تھی۔ مگر خیر وہ وہاں پہنچا تو دیکھا۔ کہ دو آدمی لیٹے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک اسے کہنے لگا۔ کہ میاں سپاہی یہ میری چھاتی پر بیر پڑا ہے۔ اسے اٹھا کر میرے منہ میں ڈال دو۔ یہ سن کر اسے بہت غصہ آیا۔ اور اس نے اسے گالیاں دیں۔ اور کہا۔ کہ تو بڑا نالائق ہے۔ میں ضروری سفر پر جا رہا تھا تم نے مجھے پچاس ساٹھ گز کے فاصلہ سے بلایا۔ تمہاری چھاتی پر بیر تھا۔ جسے تم خود اٹھا کر کھا سکتے تھے۔ تم کوئی لولے۔ لنگڑے تو نہ تھے۔ کہ مجھے اتنی دور سے بلایا۔ اس پر دوسرے شخص نے کہا۔ کہ میاں سپاہی۔ جانے دو۔ کیوں اتنا غصہ کرتے ہو۔ یہ شخص تو ہے ہی ایسا۔ یہ کسی کام کا نہیں۔ اور اس قابل نہیں۔ کہ اسکی اصلاح ہو سکے۔ اسکی سستی کی تو یہ حالت ہے۔ کہ ساری رات

کتا میرا منہ چاٹتا رہا

اور اس سے اتنا نہ ہو سکا۔ کہ اسے ہشت ہی کر دے۔ اس مثال میں ہمارے ملک کی بے عملی کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ ہر ملک میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں۔ مگر یہاں بہت زیادہ ہیں۔ یہاں جو کام کرنے والے ہیں۔ وہ بھی سست ہیں۔ میں نے کئی دفعہ سنایا ہے۔ کہ یہاں جو مزدور اینٹیں اٹھاتے ہیں۔ وہ اس طرح ہاتھ لگاتے ہیں۔ کہ گویا وہ انڈے ہیں۔ آہستہ آہستہ اٹھاتے ہیں۔ اور پھر اٹھاتے اور رکھتے وقت کمر سیدھی کرتے ہیں۔ پھر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کہتے ہیں۔ کہ لاؤ ذرا حقہ کے تو دو کش لگا لیں۔ لیکن ولایت میں میں نے دیکھا ہے۔ کہ حالت ہی اور ہے۔ حافظ روشن علی صاحب مرحوم کو میں نے ایک دفعہ توجہ دلائی۔ انہوں نے کہا۔ کہ میرا بھی خیال اسی طرف تھا۔ گویا ایک ہی وقت دونوں کو اس طرف توجہ ہوئی۔ حافظ صاحب نے کہا۔ کہ ان لوگوں کو دیکھ کر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کام کر رہے ہیں۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

آگ لگی ہوئی ہے

اور یہ اسے بجھا رہے ہیں۔ کوئی سستی ان میں نظر نہیں آتی۔ ایک دفعہ ہم گھر میں بیٹھے تھے۔ کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ کہ گلی میں چند عورتیں نظر آئیں۔ جو لباس سے آسودہ حال معلوم ہوتی تھیں۔ مگر نہایت جلدی جلدی چل رہی تھیں۔ میں نے حافظ صاحب سے کہا۔ کہ ان کو کیا ہو گیا ہے۔ حافظ صاحب ذہین آدمی تھے۔ سمجھ گئے۔ اور کہنے لگے۔ کہ میں نے یہاں کسی کو چلتے دیکھا ہی نہیں۔

سب لوگ یہاں دوڑتے ہیں

غرض وہاں کے لوگ ہر کام ایسی مستعدی سے کرتے ہیں۔ کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ لیکن ہمارے ملک میں جدھر دیکھو۔ سخت غفلت اور سستی چھائی ہوئی ہے۔ کسی کو چلتے دیکھو۔ تو سستی کی ایسی لعنت ہے۔ کہ چاہتا ہے۔ ہر قدم پر کیلے کی طرح گڑ جائے۔ یہاں جو کام کرنے والے ہیں۔ وہ بھی گویا نکمے ہی ہیں۔ اور جو سست ہیں۔ اور کام کرتے ہی نہیں۔ ان سے تو اللہ کی پناہ۔ ان کی حالت تو وہی ہے۔ کہ بیر اٹھا کر منہ میں نہیں ڈال سکتے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اس کے ساتھی کی۔ جس نے کہا تھا۔ کہ ساری رات کتا میرا منہ چاٹتا رہا۔ اور اس نے ہشت تک نہ کی۔ کمبخت تو نے آپ ہی کیوں نہ ہشت کہہ دیا۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ ایک شخص کے متعلق سنایا کرتے تھے۔ وہ ایک

گاؤں کا رہنے والا

اور اچھا مخلص احمدی تھا۔ زمین وغیرہ اچھی تھی۔ اور باپ نے کچھ روپیہ بھی چھوڑا تھا۔ وہ یہاں آیا۔ اور شہری لوگوں سے اس کے تعلقات ہوئے۔ تو دماغ بگڑ گیا۔ اور لگا روپیہ اڑانے۔ جس کے نتیجہ میں روپیہ میں کمی آنے لگی۔ حضرت خلیفہ اول رضہ نے ایک دفعہ اسے کام کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ تو اس نے کہا۔ کہ میری تو یہ حالت ہے۔ کہ اگر لاہور جاؤں۔ اور میرے پاس کوئی ٹرنک یا اسباب نہ ہو۔ تو اپنا رومال قلی کو پکڑا دیتا ہوں۔ تا دیکھنے والے یہ تو سمجھیں۔ کہ کوئی شریف آدمی جا رہا ہے۔ شریف بننا کوئی آسان کام تو نہیں۔ نتیجہ یہ ہؤا۔ کہ اس نے اپنی ساری دولت لٹا دی۔ اور آخر لڑکیوں کو ساتھ لے کر عیسائی ہو گیا۔ اسکی لڑکیاں بھی اب عیسائی ہیں۔ گو ان میں سے بعض دل میں سمجھتی ہوں۔ کہ عیسائیت سچا مذہب نہیں۔ مگر بہر حال وہ عیسائی ہیں۔ تو کام کرنے کی عادت ڈالنا

نہایت ہی اہم چیز

ہے۔ اور اسے جماعت کے اندر پیدا کرنا نہایت ضروری ہے۔ تا جو لوگ سست ہیں۔ وہ بھی چست ہو جائیں۔ اور ایسا تو کوئی بھی نہ رہے۔ جو کام کرنے کو عیب سمجھتا ہو۔ جب تک ہم یہ احساس نہ مٹا دیں۔ کہ بعض کام ذلیل ہیں۔ اور ان کو کرنا ہتک ہے۔ یا یہ کہ ہاتھ سے کما کر کھانا ذلت ہے۔ اس وقت تک ہم دنیا سے غلامی کو نہیں مٹا سکتے۔ لوہار۔ بڑھئی۔ دھوبی نائی غرضیکہ کسی کا کام ذلیل نہیں۔ یہ سارے کام در اصل لوگ خود کرتے ہیں۔ ہر شخص تزئین کرتا ہے۔ اپنی ڈاڑھی اور مونچھوں کی صفائی کرتا ہے۔ یہی حجام کا کام ہے۔ بچہ پیشاب کر دے تو امیر غریب ہر ایک اسے دھوتا ہے۔ جو دھوبی کا کام ہے۔ تو یہ سب کام انسان کسی نہ کسی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

رنگ میں خود کرتا ہے۔ مگر اس طرح کہ کسی کو پتہ نہ لگے۔ اور خود بھی محسوس نہ کرے۔ لیکن ہم چاہتے ہیں۔ کہ وہ ایسے رنگ میں کرے کہ وہ سمجھتا ہو۔ کہ گو یہ کام بُرا سمجھا جاتا ہے۔ مگر در اصل بُرا نہیں۔ اور اس کے کرنے میں کوئی ہرج نہیں۔ ہر انسان اپنی طہارت کرتا ہے۔ یہ کیا ہے۔ یہی چوہڑوں والا کام ہے۔ اور جب تک کوئی شخص یہ چوہڑوں والا کام نہ کرے۔ لوگ اسے پاگل سمجھتے ہیں۔ اور اس سے زیادہ غلیظ اور کوئی ہوتا نہیں۔ تو جب تک ایسے تمام کام کرنے کی عادت نہ ہو۔ ان کے کرنے والوں کی اصلاح بری لگتی ہے۔ جیسے یہاں چوہڑوں کی اصلاح پر بعض لوگوں کو گھبراہٹ ہوئی تھی۔ حالانکہ

مکہ اور مدینہ میں

کوئی چوہڑے نہ ہوتے تھے۔ آخر وہاں گزارہ ہوتا ہی تھا۔ اور اب تو ولایت میں بلکہ ہندوستان میں بمبئی اور کلکتہ وغیرہ میں بھی ایسے پاخانے بنا دیئے گئے ہیں۔ کہ چوہڑوں کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ لاہور میں بھی اس کا انتظام زیر تجویز ہے۔ پاخانہ میں جاؤ۔ تو نلکے لگے ہوئے ہیں۔ فارغ ہونے کے بعد نلکا کھول دو۔ زمین کے نیچے سرنگیں بنی ہوئی ہیں۔ جن میں سے پاخانہ بہہ کر جنگل میں چلا جاتا ہے۔ اور وہاں کھاد کے کام آتا ہے۔ بہرحال کسی جماعت کا یہ خیال کرنا کہ اس کے بعض افراد گندے ہیں۔ اور بعض اچھے ہیں۔ ایسا ذلیل خیال ہے کہ

اس سے زیادہ ذلیل

اور نہیں ہو سکتا۔ اگر واقعی کسی کے اندر گند ہے تو اسکی اصلاح کرنی چاہیئے۔ لیکن اگر وہ اچھے ہیں۔ تو ان سے نفرت کرنا اپنے اوپر اور اپنی قوم کے اوپر ظلم ہے۔

چونکہ اپنے اپنے طور پر ہاتھ سے کام کرنے کی نگرانی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے میں نے تحریک کی تھی۔ کہ قومی طور پر یہ کام کیا جائے۔ اور سڑکیں بنائی اور نالیاں درست کی جائیں تا نگرانی ہو سکے۔ اور دوسروں کو بھی تحریک ہو۔ اس کے سوا بھی اس میں کئی فائدے ہیں۔ مثلاً جس قوم میں یہ عادت پیدا ہو جائے۔ اسکی

اقتصادی حالت

اچھی ہو جائے گی۔ اس سے سوال کی عادت دور ہو جائے گی۔ اس کے افراد میں سستی نہیں پیدا ہو گی۔ پھر جن لوگوں کی اقتصادی حالت اچھی ہو گی۔ وہ چندے بھی زیادہ دے سکیں گے۔ بچوں کو تعلیم دلا سکیں گے۔ اور اس طرح ان کی اخلاقی حالت درست ہو گی۔ تو اس کے اور بھی بہت سے فوائد ہیں۔ مگر سب سے اہم امر یہ ہے۔ کہ اس سے مذہب کو تقویت ہوتی ہے۔ اور دنیا سے غلامی مٹتی ہے۔ جب تک دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں۔ جن کو ہاتھ سے کام کرنے کی عادت نہیں۔ وہ کوشش کریں گے۔ کہ ایسے لوگ دنیا میں موجود رہیں۔ جو ان کی خدمت کرتے رہیں۔ اور دنیا ترقی نہ کرے۔ میری غرض یہ ہے کہ

اس کام کو نہایت اہمیت دی جائے

اور پورے اہتمام سے شروع کیا جائے۔ افسوس ہے۔ کہ اس وقت تک کوئی مستعدی نہیں دکھائی گئی۔ یہاں بھی خدام الاحمدیہ کو یہ کام شروع کر دینا چاہیئے۔ اور پھر دوسرے گاؤں اور شہروں میں بھی شروع ہونا چاہیئے۔ گاؤں کے لوگوں کو صفائی کا خاص خیال رکھنا چاہیئے۔ گاؤں میں بہت گند ہوتا ہے۔ اور گاؤں کا تو کیا کہنا۔ مجھے خود کئی لوگوں نے طعنے دیئے ہیں۔ کہ

سب سے زیادہ گند

یہاں احمدیہ چوک میں ہوتا ہے۔ چودھری ظفر اللہ خاں صاحب اپنے ساتھ بعض انگریز دوستوں کو یہاں لاتے رہے ہیں۔ وہ سب اس بات کی تو تعریف کرتے ہیں۔ کہ محلے بہت اچھے ہیں۔ سڑکیں چوڑی ہیں۔ مگر صفائی نہ ہونے کی شکایت وہ بھی کرتے ہیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ رستہ سے کانٹا ہٹا دینا بھی نیکی ہے۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا ہے۔ کہ جو رستہ پر پاخانہ پھرتا ہے۔ اس پر لعنت ہوتی ہے۔ مگر شاید لوگ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ راستہ پر پاخانہ کرنا ہی

لعنت کا موجب

ہے۔ گھر میں سے خواہ دس آدمیوں کا پاخانہ اٹھا کر گلی میں پھینک دو۔ یہ کوئی بُری بات نہیں۔ میں پوچھتا ہوں۔ کیا قادیان کی کوئی بھی گلی ہے۔ جو صاف رہتی ہو۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے گلی میں پاخانہ بیٹھنے سے کیوں منع فرمایا ہے۔ اس لئے کہ اس سے گندگی پھیلتی ہے۔ وبائیں اور بیماریاں پھیلتی ہیں۔ آپ نے ایک کے پاخانہ کرنے کو منع فرمایا ہے۔ مگر تم ہو۔ کہ دس کا پاخانہ گلی میں پھینک دیتے ہو۔ اور پھر سمجھتے ہو۔ کہ اس سے تم پر کوئی لعنت نہیں پڑتی۔ پھر میں نے دیکھا ہے۔

جانور ذبح کر کے بال و پر

اوجھڑیاں اور ان کا پاخانہ وغیرہ سب گلی میں پھینک دیا جاتا ہے۔ مرغیاں آ کر ان کو نوچتی ہیں۔ آنت توڑ کر الگ کر لیتی ہیں۔ اور پاخانہ الگ ہو جاتا ہے۔ اس پر پھر مکھیاں آ کر بیٹھتی ہیں۔ اور وہی پھر آٹے اور کھانے کی چیزوں پر بیٹھتی ہیں۔ اور جس طرح بادل سمندر سے بنتے اور پھر پانی بن کر سمندر میں چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح اس گندگی کا بھی حال ہے۔ بعض لوگ تو ایسے احمق ہیں۔ کہ وہ گندہ رہنے کو نیکی سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ یہ صفائیاں کرنا انگریزوں کا کام ہے۔ ہم مومن اور مخلص ہیں۔ ہمیں ان باتوں سے کیا۔ وہ مومن مخلص اسے سمجھتے ہیں۔ جو زیادہ گندا ہو۔ زمانہ کتنا بدل جاتا ہے۔ میں

سلطان صلاح الدین ایوبی

کی زندگی کے حالات ایک تاریخ کی کتاب میں پڑھ رہا تھا۔ گو اس زمانہ میں مسلمانوں میں تنزل کے آثار شروع ہو گئے تھے۔ مگر پھر بھی میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ جب میں نے دیکھا۔ کہ اس میں صفحوں کے صفحے اس موضوع پر لکھے ہوئے ہیں۔ کہ ایک یورپین عیسائی اور شامی مسلمان میں کیا فرق ہے۔ اور فرق یہ بتائے گئے ہیں۔ کہ مسلمان صاف ستھرا ہوتا ہے۔ اس کا بدن اور اس کے کپڑے اور مکان صاف ہوتا ہے۔ لیکن یورپین گندا ہوتا ہے۔ اس کے بال اور ناخن بڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس کا بدن اور لباس غلیظ ہوتا ہے۔ یہ اس زمانہ کے مسلمانوں کی حالت تھی۔ مگر آج کیا ہے۔ آج

ایشیا کا مسلمان غلیظ اور یورپین عیسائی صاف

ستھرا ہوتا ہے۔ پھر وہاں یہ بھی لکھا ہے۔ کہ عجیب بات یہ ہے۔ کہ عیسائیوں کو سمجھاؤ۔ تو وہ کہتے ہیں۔ کہ نہیں تصوف یہی ہے۔ اور بعینہٖ آج یہ حالت مسلمانوں کی ہے۔ آج مسلمان ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ وہی چیزیں جو عیسائیوں میں تھیں۔ آج ان میں آ گئی ہیں۔ اور جو ان میں تھیں۔ وہ عیسائیوں میں چلی گئی ہیں۔ بالکل الٹ معاملہ ہو گیا ہے۔ جس طرح بچے کھیلتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کی پیٹھ پر سوار ہو جاتا ہے۔ جو نیچے ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ میرے کوٹھے کون چڑھی۔ یعنی میرے مکان کی چھت پر کون چڑھا ہے۔ اوپر والا جواب دیتا ہے۔ کانٹو۔ نیچے والا کہتا ہے۔ اتر کانٹو میں چڑھاں۔ یعنی کانٹو اترو۔ اب میری باری چڑھنے کی ہے۔ اس پر اوپر والا اتر کر گھوڑا بن جاتا ہے۔ اور جو گھوڑا تھا۔ وہ سوار ہو جاتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں۔ یورپین عیسائیوں اور ایشیائی مسلمانوں میں بالکل ایسا ہی کھیل کھیلا گیا ہے۔ ایک وقت تھا۔ کہ جب کہا جاتا تھا۔ کون غلیظ ہے؟ تو جواب ملتا تھا۔ عیسائی۔ اور جب کہا جاتا تھا۔ کون صاف ہے؟ تو جواب ملتا تھا۔ مسلمان۔ مگر آج جب کہا جاتا ہے۔ کون صاف ہے؟ تو جواب ملتا ہے۔ عیسائی۔ اور جب کہا جاتا ہے۔ کون غلیظ ہے؟ تو جواب ملتا ہے مسلمان۔ مگر اس تجویز پر عمل کر کے ہر جگہ کے احمدی اس حالت کے برعکس نقشہ دکھا سکتے ہیں۔ مگر افسوس ہے۔ کہ ابھی یہاں بھی عمل شروع نہیں ہوا۔ خدام الاحمدیہ کو چاہیئے۔ کہ اس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ اور دوسروں کو سمجھائیں۔ اور عملاً کام کریں۔ میں نے جو اعلان

عملی کام کے متعلق

کیا تھا۔ مجھے معلوم ہوا ہے۔ کہ خدام الاحمدیہ اس سے غافل نہیں ہیں۔ جو کام ان کے سپرد کیا گیا تھا۔ ان کے لئے انجنیئروں کے مشورے کی ضرورت ہے۔ جو لیا جا رہا ہے۔ اور اس کے بعد کام شروع کر دیا جائے گا۔ مگر ان کا صرف یہی کام نہیں۔ بلکہ اور بھی کئی کام ہیں۔ جب تک یہ شروع نہیں ہوتا۔ وہ یہ دیکھیں۔ کہ لوگ

گلیوں میں گند

نہ پھینکیں۔ اور اگر کوئی پھینکے۔ تو سب مل کر اسے اٹھائیں۔ تھوڑی سی محنت سے صفائی کی حالت اچھی ہو سکتی ہے۔ گاؤں میں رہنے والے احمدیوں کو بھی صفائی کی طرف خاص توجہ چاہیئے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ کہ وہ صفائی کا خیال نہیں رکھتے۔ میں نے دیکھا ہے۔ بعض زمیندار عورتیں بیعت کے لئے آتی ہیں۔ کسی کے بچہ نے فرش پر پاخانہ کر دیا۔ تو اس نے ہاتھ سے اٹھا کر جھولی میں ڈال لیا۔ اور سمجھ لیا۔ کہ بس صفائی ہو گئی۔ ان کے جانے کے بعد ہم اسے دھوتے ہیں۔ لیکن وہ اپنی طرف سے سمجھ لیتی ہیں۔ کہ بس صفائی ہو چکی۔ یہ حالت میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔ اور ایک دفعہ نہیں بیسیوں دفعہ۔ اب غور تو کرو۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو فرماتے ہیں۔ کہ

رستہ میں پاخانہ کرنے والے پر

خدا کی لعنت ہوتی ہے۔ کیا وہ اس نظارہ کو برداشت کر سکتے تھے۔ پھر یہی نہیں۔ میں نے بعض زمیندار عورتوں کو اپنے دوپٹہ سے بچہ کی طہارت کرتے دیکھا ہے۔ وہ یہ سمجھ لیتی ہیں کہ بس بچہ کی صفائی ہو گئی۔ اور یہ خیال بھی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

نہیں کرتیں۔ کہ

بچہ کا پاخانہ اپنے سر پر

رکھ رہی ہیں۔ ہمارے ملک میں گندگی کا مفہوم ہی بالکل بدل گیا ہے۔ اور یہ ہاتھ سے کام نہ کرنے کا ہی نتیجہ ہے۔ یہ سب کسل اور سستی ہے۔ کہ کون اٹھے اور کون دھوئے۔ اور کون صفائی کرتا پھرے۔

میں نے خدام الاحمدیہ کو توجہ دلائی تھی۔ کہ وہ اس کام کو خاص طور پر شروع کریں۔ اور اب بھی جب تک وہ سکیم نہ بنے۔

ہر محلہ کے ممبر

ذمہ دار سمجھے جائیں۔ اس محلہ کی صفائی کے پہلے لوگوں کو منع کرو۔ اور سمجھاؤ۔ کہ گلی میں گندگی نہ پھینکیں۔ اور اگر وہ پھر بھی باز نہ آئیں۔ تو پھر

خود جا کر اٹھائیں

جب وہ خود اٹھائیں گے۔ تو پھینکنے والوں کو بھی شرم آئے گی۔ اور جب عورتیں دیکھیں گی۔ کہ وہ جو گند گلی میں پھینکتی ہیں۔ وہ ان کے باپ یا بھائی یا بیٹے کو اٹھانی پڑتی ہے۔ تو وہ سمجھیں گی یہ بُرا کام ہے۔ اور وہ اس سے باز رہیں گی۔ لوگ ہزار یا پانچ سو یا کم و بیش روپیہ لگا کر مکان بنا لیتے ہیں۔ مگر یہ نہیں کرتے۔ کہ

چند فٹ کا ایک چھوٹا سا گڑھا

گلی میں بنوا لیں۔ اور اس گلی کے سب مکانوں والے اسی میں گندی چیزیں پھینکیں۔ اور پھر صفائی کرنے والے آکر وہیں سے لے جائیں۔ یورپ میں میں نے دیکھا ہے۔ سب سڑکوں پر ایسے گڑھے ہوتے ہیں۔ جن کے اوپر ڈھکنے پڑے رہتے ہیں۔ لوگ ان میں گندی چیزیں پھینک جاتے ہیں۔ اور سرکاری آدمی آکر اٹھاتے جاتے ہیں۔ اگر یہ طریق یہاں بھی اختیار کر لیا جائے۔ تو بہت مفید ہوگا۔ اگر ہر گلی والے صفائی کے خیال سے ایسا گڑھا بنوائیں۔ تو اس پر

زیادہ سے زیادہ چار پانچ روپیہ

خرچ ہوگا۔ اور میرے نزدیک وہ پانچ چھ سال تک کام دے سکتا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر مرمت کی ضرورت پیش آئے۔ تو اس پر روپیہ دو روپیہ سے زیادہ خرچ نہ ہوگا۔ اور اگر گلی میں دس گھر ہوں۔ تو آٹھ آٹھ آنہ ہر ایک کے حصہ میں آئیں گے۔ اور پھر اس خرچ کو پانچ سال پرے جایا جائے۔ تو سات پیسے فی سال کا خرچ ہوگا۔ اگر اس خرچ سے صفائی کی حالت اچھی ہو جائے۔ تو کتنا سستا ہے۔ اس سے

انسان آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی لعنت سے بھی بچ سکتا ہے۔ اس قسم کی صفائی اگر سب جگہ جاری کی جائے۔ تو یہ ایک بڑی نیکی ہوگی۔ دیہات میں بھی اسکی طرف توجہ کی جانی چاہیئے۔ وہاں لوگ گندگی کو

روڑی کے نام سے محفوظ

رکھتے ہیں۔ حالانکہ گورنمنٹ کی طرف سے بارہا اس حقیقت کا اعلان کیا گیا ہے۔ کہ اس طرح کھاد کا مفید حصہ ضائع ہو جاتا ہے نوشادر وغیرہ کے جو اجزاء اس میں ہوتے ہیں۔ وہ سب اڑ جاتے ہیں۔ کھاد تبھی اچھی ہو سکتی ہے۔ جب زمین میں دفن ہو۔ ننگی رہنے سے سورج کی شعاعوں کی وجہ سے اسکی طاقت کا مادہ اڑ جاتا ہے۔ اس لئے اچھی کھاد وہ ہے۔ جو زمین میں دفن رہے۔ تو جو روڑیاں دیہات میں رکھی جاتی ہیں۔ وہ گند ہوتا ہے۔ کھاد نہیں۔ پھر اس میں روڑی کے علاوہ زمینداروں کے مدنظر ایک اور سوال اپلوں کا ہوتا ہے۔ جو وہ جلاتے ہیں۔ حالانکہ یہ کتنی غلیظ بات ہے۔ کہ

پاخانہ سے روٹی

پکائی جائے۔ مانا کہ وہ پاخانہ جانور کا ہے۔ مگر کیا جانور کا پاخانہ کھانے کے لئے کوئی تیار ہو سکتا ہے۔ اسی پر رکھ کر پھلکے سینکے ہیں۔ اور پھر انہیں کھاتے ہیں۔ بائیبل میں یہود کی سزا کے متعلق آتا ہے۔ تم انسان کے پاخانہ سے روٹی پکا کر کھاؤ گے۔ حزقیل باب ۴ آیت ۱۲۔ گو وہاں انسانی پاخانہ کا ذکر ہے۔ مگر جانور کا پاخانہ بھی تو گندی شے ہے۔ خواہ نسبتاً کم ہو۔ اس سے روٹی پکانی بھی یقیناً ایک سزا ہے۔ مگر دیہات میں اسی کی آگ جلائی جاتی ہے۔ اور اسی سے کھانا پکایا جاتا ہے۔ حالانکہ اگر

درخت لگانے کی عادت

ڈالی جائے۔ تو یہ کئی لحاظ سے مفید ہو۔ جلانے کے لئے لکڑی بھی مل جائے۔ سایہ بھی ہو۔ اور پھر ایسے درخت لگائے جا سکتے ہیں۔ جن کا فائدہ بھی ہو۔ مثلاً شہتوت کے درخت ہیں۔ ان پر اگر ریشم کے کیڑے چھوڑ دیئے جائیں۔ تو ایک ایک درخت پر دس روپیہ کا ریشم تیار ہو سکتا ہے۔ اور اگر دو چار درخت ہی اس کے لگا لئے جائیں۔ تو گھر والوں کے کپڑے ہی اسکی آمد سے تیار ہو سکتے ہیں۔ اور لکڑی بھی جلانے کے لئے کافی مل سکے گی۔ پھر جس جگہ درخت ہوں۔ وہاں بارشیں بھی زیادہ ہوتی ہیں۔ اور جہاں درخت نہ ہوں۔

وہاں بارش کم ہوتی ہے۔ اور جب ہو۔ تو مٹی بہہ بہہ کر وہ جگہ نشیب بن جاتی ہے۔ غرضیکہ

بیسیوں فوائد

ہیں۔ مگر اپلوں کے استعمال کی وجہ سے زمیندار ان سے محروم رہتے ہیں۔ اسکی وجہ سے درخت کی ضرورت بہت کم محسوس کی جاتی ہے۔ اس لئے لوگ لگاتے ہی نہیں۔ صرف ہل وغیرہ کے لئے لکڑی کی ضرورت ان کو پیش آتی ہے۔ باقی کھانا وغیرہ گوبر سے پکا لیتے ہیں۔

ہاتھ سے کام میں جو صفائی کا حصہ ہوتا ہے۔ اس کے ضمن میں میں نے یہ مثال دی ہے۔ اس تحریک کو عام کرنا چاہیئے۔ اور ہمارے دوستوں کو چاہیئے۔ کہ اسے اس طرح پھیلائیں کہ اس کا اثر نمایاں طور پر نظر آنے لگے۔ کوئی کام اس وقت تک مفید نہیں ہو سکتا۔ جب تک قوم پر اس کا اثر نہ ہو۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک شخص کو دودھ پینے کے دیا۔ اس نے پیا۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ اور پیو۔ اس نے اور پیا۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ اور پیو۔ اس نے کہا۔ یا رسول اللہ۔ اب تو میرے مساموں میں سے دودھ بہنے لگا ہے۔ آپ کا مطلب یہ تھا۔ کہ خدا تعالےٰ جو نعمت دے۔ اس کے

آثار چہرہ پر ظاہر

ہونے چاہئیں۔ پس ہمارے سب کام اس رنگ میں ہونے چاہئیں۔ کہ ان کا اثر ظاہر ہو جائے۔

میں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں۔ کہ میں اس صفائی کا بھی قائل نہیں ہوں۔ جیسی بعض انگریز کرتے ہیں۔ کہ ذرا سا دھبہ کپڑا میں لگ گیا تو اسے اتار دیا۔ یا جیسا کہ آج کل کے بعض نوجوان کرتے ہیں۔ کہ بالوں کو برش کرتے رہے۔ کئی کئی گھنٹے

بالوں اور چہرہ کی صفائی

میں لگا دیتے ہیں۔ میرا مطلب صرف اس صفائی سے ہے۔ جو صحت پر اثر ڈالتی ہے۔ یہ کوئی صفائی نہیں۔ کہ ڈاڑھی اور مونچھوں کو مونڈھتے اور بالوں کو کنگھی اور برش کرتے رہتے ہیں۔ اور یوں معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس عورت کی نئی نئی شادی ہوئی ہے۔ یہ صفائی نہیں۔ بلکہ لغویت اور بے ہودگی ہے۔ ہاں جہاں گندگی اور غلاظت ہو۔ اسے دور کرنا چاہیئے۔ اگر اس سنگار کا نام صفائی ہے۔ تو پھر تو

لندن کے چند کروڑ پتی

ہی صفائی رکھ سکیں گے۔ جو یوڈی کولون پانی

میں ڈال کر نہاتے ہیں۔ اگر ہمارے غریب زمیندار ایسی صفائی رکھنے لگیں۔ تو ہر سال ایک گھماؤں زمین بیچ کر نہانے کا ہی انتظام کر سکتے ہیں۔ مگر یہ کوئی صفائی نہیں۔ بلکہ تعیش ہے۔ وہ صفائی جو اسلام چاہتا ہے۔ یہ ہے۔ کہ گند نظر نہ آئے اور صحت خراب نہ ہو۔ پھر بعض لوگ ایسے صفائی پسند ہوتے ہیں۔ کہ مصافحہ بھی کسی سے نہیں کرتے۔ کہ اس طرح کیڑے لگ جاتے ہیں۔ یہ بھی صفائی نہیں۔ بلکہ جنون ہے۔ ایسی صفائی جو اخلاق کو تباہ کر دے۔ جائز نہیں۔ بعض لوگ کسی کے ساتھ برتن میں کھانا نہیں کھاتے۔ یہ بھی ان کے نزدیک صفائی ہے۔ مگر

ایسی صفائی سے اسلام منع کرتا ہے

جو صفائی اخوت اور محبت میں روک ہو۔ وہ بیدینی ہے۔ پس ہر کام کے وقت اسکی خوبی اور برائی کا موازنہ کر کے دیکھنا چاہیئے۔ مصافحہ کرنے سے اگر فرض کرو۔ کوئی بیمار بھی ہو جائے۔ یا سال میں آٹھ دس آدمی اس طرح مر بھی جائیں۔ تو اس محبت اور پیار کے مقابلہ میں جو اس سے پیدا ہوتا ہے۔ اور ان دوستیوں کے مقابلہ میں جو اس سے قائم ہوتی ہیں۔ اسکی حقیقت ہی کیا ہے۔ اگر محبت کے ذریعہ لاکھوں آدمی بچیں۔ اور آٹھ دس مر بھی جائیں۔ تو کیا ہے۔ دیکھنا تو یہ چاہیئے۔ کہ

نقصان زیادہ ہے یا فائدہ

اور جو چیز زیادہ ہو۔ اس کا خیال رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ ہر بڑی چیز کے لئے چھوٹی قربانی ہوتی ہے۔ پس ایسی صفائی جس سے تعیش اور وقت کا ضیاع ہو۔ یا جو محبت میں روک ہو۔ اسے مٹانا چاہیئے۔ ہندوؤں میں یہ صفائی ہوتی ہے۔ کہ بیوی ایک پتہ لے کر الگ بیٹھ جاتی ہے۔ اور خاوند الگ۔ اور برہمن ہر ایک کی طرف کتے کی طرح روٹی پھینکتا جاتا ہے۔ مجھے بھی ایک دفعہ ایک ایسی دعوت کھانے کا اتفاق ہوا۔ جو آریہ پرتی ندھی سبھا کے مرکز میں تھی۔ سب کے آگے علیٰحدہ علیحدہ پتے اور ان پر کچوریاں وغیرہ رکھ دی گئیں۔ یہاں تو خیر تھی لیکن اس کے بعد کی ذلت کو کوئی مسلمان برداشت نہیں کر سکتا۔ رسوئیا آکر دروازہ میں کھڑا ہو گیا اور پوچھنے لگا۔ کہ کس کو کتنی کچوریاں چاہئیں۔ دو چاہئیں یا ایک یا پونی یا آدھی یا پاؤ۔ اتنی احتیاط تھی۔ کہ جسے پاؤ کی ضرورت ہے۔ اسے آدھی نہ چلی جائے۔ تا باقی پاؤ ضائع نہ ہو اور پھر وہ وہیں سے ہر ایک کے آگے جتنی وہ مانگتا۔ پھینک دیتا تھا۔ اور نشانہ اسکا واقعی قابل تعریف تھا۔ میں نے تو کہہ دیا۔ کہ مجھے تو کوئی ۴

۴ ضرورت نہیں۔ تو جس صفائی سے وقت ضائع ہو۔ یا محبت میں فرق آئے۔ یا انسانی تعلقات میں فرق آئے۔ وہ جائز نہیں۔ اور یہ پہلو میں نے اس لئے واضح کر دیا ہے۔ کہ کوئی غلو میں اس طرف نہ نکل جائے۔ اور تیل کنگھی چوٹی اور سرمہ کے استعمال کو ہی صفائی نہ سمجھ لیا جائے۔ یہ صفائی نہیں ہے۔ (الفضل)

نور الدین اعظمؓ

ذکرِ فاروق

دعوئ مسیحیت نبی کریم کی اعلیٰ شان کا مظاہرہ ہے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

جب حضرت خلیفۃ المسیح اول مولوی حکیم نور الدین صاحب رضی اللہ عنہ ریاست جموں میں شاہی طبیب تھے۔ ۱۸۹۱-۹۲ء کا ذکر ہے۔ کہ ان دنوں کابل کے ایک رئیس سردار شیر علی خاں جو گورنمنٹ برطانیہ کے وظیفہ خوار تھے۔ اور ان کے لئے گورنمنٹ سے مقرر تھا۔ کہ سردیوں میں راولپنڈی میں قیام رکھا کریں۔ اور گرمیوں میں کشمیر میں رہا کریں۔ وہ سردار صاحب ایک دفعہ کشمیر میں تھے۔ اور حضرت مولوی صاحب بھی کشمیر میں تھے۔ اور جب ضرورت سردار صاحب اور ان کے اہل و عیال اور رفقاء کا علاج بھی کیا کرتے تھے۔ اور اس طرح ان کے ہاں مولوی صاحب کی آمد و رفت رہتی تھی۔ سردار صاحب کی مجلس میں ایک بار بابو سراج الدین صاحب مرحوم نے (جو ایڈیٹر اخبار زمیندار کے والد تھے۔ اور سلسلہ احمدیہ کے ساتھ حسن ظن رکھتے تھے) حضرت مرزا صاحب اور ان کے دعویٰ کے متعلق ذکر چھیڑ دیا۔ اور حضرت صاحب کے حق میں ہمدردانہ گفتگو کی مگر اس مجلس میں چند جاہل افغان مُلّاں بھی تھے۔ جو برافروختہ ہوئے۔ اور بابو سراج الدین صاحب پر حملہ آور ہونے کو طیار ہو گئے۔ اتفاق سے حضرت مولٰنا حکیم نور الدین صاحب بھی وہاں کسی بیمار کو دیکھنے کے واسطے پہنچ گئے۔ جب سردار صاحب نے مولٰنا صاحب کو آتے ہوئے دیکھا۔ تو سب کو خاموش کرایا۔ اور حضرت مولٰنا صاحب سے عرض کیا۔ کہ یہ مرزا صاحب کا کیا معاملہ ہے۔ کہ سنا گیا ہے۔ کہ وہ دعوےٰ مسیح ہونے کا کرتے ہیں۔ حضرت مولوی صاحب نے ایک تقریر کی۔ جس میں رسول پاک حضرت محمد صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی فضیلت اور اعلےٰ درجات کا مفصل بیان کیا۔ کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو تمام انبیاء پر فضیلت دی ہے اور آپ کو لولاک سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ اگر تو نہ ہوتا۔ تو یہ افلاک میں پیدا نہ کرتا کیونکہ تمام مخلوق میں سے سب سے اعلیٰ مقام قُربِ الٰہیہ کو پہنچنے والے حضرت محمد مجتبیٰ صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہیں۔ اور انسان کی انسانیت کی لاج رکھنے والے ہیں۔ فرشتے بھی اس اعلےٰ مقام پر نہیں جا سکتے۔ جہاں حضرت رسولِ پاک صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پہنچے۔ یہ وہ اعلےٰ رتبہ والا انسان ہے۔ کہ فرشتے بھی اس پر صلوٰۃ اور سلام بھیجتے ہیں جب حضرت مولٰنا نے رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی تعریف میں ایسی پُرجوش مخلصانہ تقریر کی۔ تو اکثر اہل مجلس افغانوں پر حالت وجد طاری ہو گئی۔ تب حضرت مولٰنا نے فرمایا۔ کہ اس زمانہ میں ایک ایسی قوم پیدا ہوئی ہے۔ جو ظاہری علوم اور حکومت میں سب قوموں سے بڑھ گئی ہے۔ یہ لوگ عیسائی ہیں۔ اور اپنے نبی عیسیٰ کو تو اس قدر بڑھاتے ہیں۔ کہ اسے خدا کا بیٹا بلکہ خود خدا پکارتے ہیں۔ اور اس کے بالمقابل ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو نبی کیا ایک بااخلاق پاکباز انسان بھی تسلیم نہیں کرتے۔ اور نعوذ باللہ بُرے بُرے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی اس ظالمانہ حرکت کے سبب آسمان میں ایک شور بپا ہوا۔ اور اللہ کریم اور اس کے فرشتوں کی غیرت کا یہ تقاضا ہوا۔ کہ رسول پاک صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی اعلےٰ عزت اور ارفع درجات کا کچھ مظاہرہ دنیا میں کیا جائے۔ اس واسطے خداوند قدیر نے اپنے رسول محمد صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی امت کے ایک فرد کو جس کا نام بھی غلام احمدؐ ہے مسیح کا خطاب دے کر دنیا میں بھیج دیا۔ تاکہ دنیا جہان کو معلوم ہو جائے۔ کہ بالمقابل حضرت محمد صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے عیسےٰ کا مقام کیا ہے۔ حضرت محمد صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی امت کا ایک فرد بھی عیسیٰ کے مقام اور مرتبہ کو پہنچ سکتا ہے۔ حالانکہ وہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا ایک غلام اور اسکی شریعت کا ایک خادم ہے۔ اس تقریر کو سُنکر ایک افغان حالت وجد میں آکر کہنے لگا۔ "اگر خدا مرزا را خدا بگویند۔ ایں ہم خوب است چرا کہ ازیں کافر کشتہ می شود"۔ یعنی حضرت مرزا صاحب کے دعوئ مسیحیت سے بڑا فائدہ یہ ہے۔ کہ اس سے عیسائیت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اور حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی اعلیٰ شان نمایاں ہوتی ہے۔

مفتی محمدؐ صادق ۸ مارچ ۱۹۳۹ء مطابق ۱۶ محرم الحرام ۱۳۵۸ھ ہجری علی صاحبہا التحیہ والسلام

غلام محمدؐ پیغام بلڈنگس کی بدزبانی سے سلسلہ احمدیہ کی سخت دلآزاری

قابل توجہ گورنمنٹ پنجاب

پیغام بلڈنگس لاہور کے گڑھے کی متعفن نالیوں سے پیدا شدہ غلام محمدؐ نامی ایک شخص نے جو اپنے آپ کو دنیا کا ہادی اور حکمران کہتا ہے۔ حال میں ایک پمفلٹ "بیعت رضوان کی حقیقت" کے نام سے شائع کیا ہے۔ اور اسکو جا بجا احمدیوں کے نام بذریعہ ڈاک بھیجا ہے۔ اس پمفلٹ میں جس شوریدہ سری سے اس گندے کیڑے نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حرم محترم اور اہل بیت کے متعلق جو تمام جماعت احمدیہ کی جان ہے۔ گندہ دہانی کی ہے وہ اس قدر ناقابل برداشت ہے۔ کہ ہر ایک احمدی کا اس کو پڑھ کر خون آنکھوں میں بھر آتا ہے۔ تعجب ہے۔ کہ اب تک ایسے گندے پمفلٹ پر گورنمنٹ نے کوئی توجہ نہیں کی۔ جس سے جماعت احمدیہ کے ہر خورد و کلاں زن و مرد کے جگر شق ہو رہے ہیں۔ اور جا بجا اس کے خلاف احتجاجی جلسے کر کے گورنمنٹ کو توجہ دلائی جا رہی ہے۔ چنانچہ ۱۴ مارچ کو نیشنل لیگ قادیان نے اور ۱۱ مارچ کو احمدیہ خواتین قادیان نے اور ۱۲ مارچ کو جماعت احمدیہ گوجرانوالہ نے اور ۱۳ مارچ کو جماعت احمدیہ بنگہ نے اور ۱۷ مارچ کو مجلس خدام الاحمدیہ سیالکوٹ نے اپنے اپنے مقامات پر خاص جلسے کر کے اپنے رنج و الم کا اظہار کرتے ہوئے مندرجہ ذیل ریزولیوشن مختلف الفاظ میں گورنمنٹ پنجاب کو توجہ دلانے کے لئے متفقہ طور پر پاس کئے۔ اس لئے ہم نہایت زور کے ساتھ گورنمنٹ پنجاب کو احمدیہ جماعت کی اس بڑھتی ہوئی دلآزاری کی فریاد سُنکر جلد سے جلد اس بدقسمت بے شرم انسان اور اس کے پمفلٹ کے طبع کرنے والے زرپرست مطبع کو قرار واقعی سزا دے کر داد انصاف دینی چاہیئے۔ ورنہ اندیشہ ہے۔ کہ یہ زخم جماعت احمدیہ کے لئے ناسور بن کر تکلیف کا موجب نہ ہو۔ ہر جلسہ میں بالفاظ مختلف یہ ریزولیوشن پاس کئے گئے ہیں۔ کہ:-

یہ اجلاس عام حکومت پنجاب کی توجہ غلام محمدؐ (احمدیہ بلڈنگس) لاہور کے ٹریکٹ موسومہ "بیعت رضوان کی حقیقت" کی طرف مبذول کراتا ہے۔ جس میں اس نے حضرت ام المؤمنین مدظلہا العالی کی شانِ مبارک میں جنہیں لاکھوں انسان نہایت ہی محترم و معزز ہستی یقین کرتے ہیں۔ اور اپنی حقیقی ماؤں سے بھی زیادہ قابل عزت و احترام خیال کرتے ہیں۔ انتہائی بے باکی سے کام لیتے ہوئے ایسے گندے اور ناپاک الفاظ استعمال کئے ہیں۔ جنہیں پڑھ کر ہر شریف انسان کا خون کھولنے لگتا ہے۔ حکومت کا فرض ہے۔ کہ وہ اس شرارت کا فوری سدِباب کرے۔ اور اس خبیث الفطرت انسان کے خلاف ایسی مؤثر کارروائی کرے۔ جس سے آئندہ کسی کو ایسی شرارت کی جرأت نہ ہو۔ نیز اس پریس کے خلاف بھی مناسب کارروائی کی جائے۔ جس میں ایسا گندہ اور اشتعال انگیز ٹریکٹ شائع ہوا ہے۔

نمائندگان مجلس مشاورت کے انتخاب کے متعلق اعلان

اکثر جماعتہائے احمدیہ کی طرف سے ابھی تک نمائندگان مجلس مشاورت کی اطلاع نہیں ملی۔ عہدیداران جماعتہائے احمدیہ کو چاہیئے۔ کہ جلد سے جلد انتخاب نمائندگان کی اطلاع دفتر ہذا میں بھجوائیں۔ نمائندگان اپنی جماعت میں صاحب اثر اور بارسوخ ہوں۔ ان کے ذمہ چندہ کا بقایا نہ ہو۔ سوائے اس کے کہ دفتر متعلقہ سے اجازت حاصل کر لی ہو۔ اسلامی اشعار ڈاڑھی رکھتے ہوں۔ طالب علم شوریٰ کا نمائندہ نہیں بن سکتے۔

(پرائیویٹ سکرٹری)

ارزاں اور باموقعہ زمین

(۱) نقشہ ذیل کے قطعات ۳۰ فٹ چوڑی سڑک پر مبلغ -/350 کنال اور ۲۰ فٹ چوڑی سڑک پر مبلغ -/250 کنال کے حساب سے قابل فروخت ہیں۔ ہر قطعہ کو دونوں طرف سڑک لگتی ہے۔ جیساکہ نقشہ سے ظاہر ہے:۔

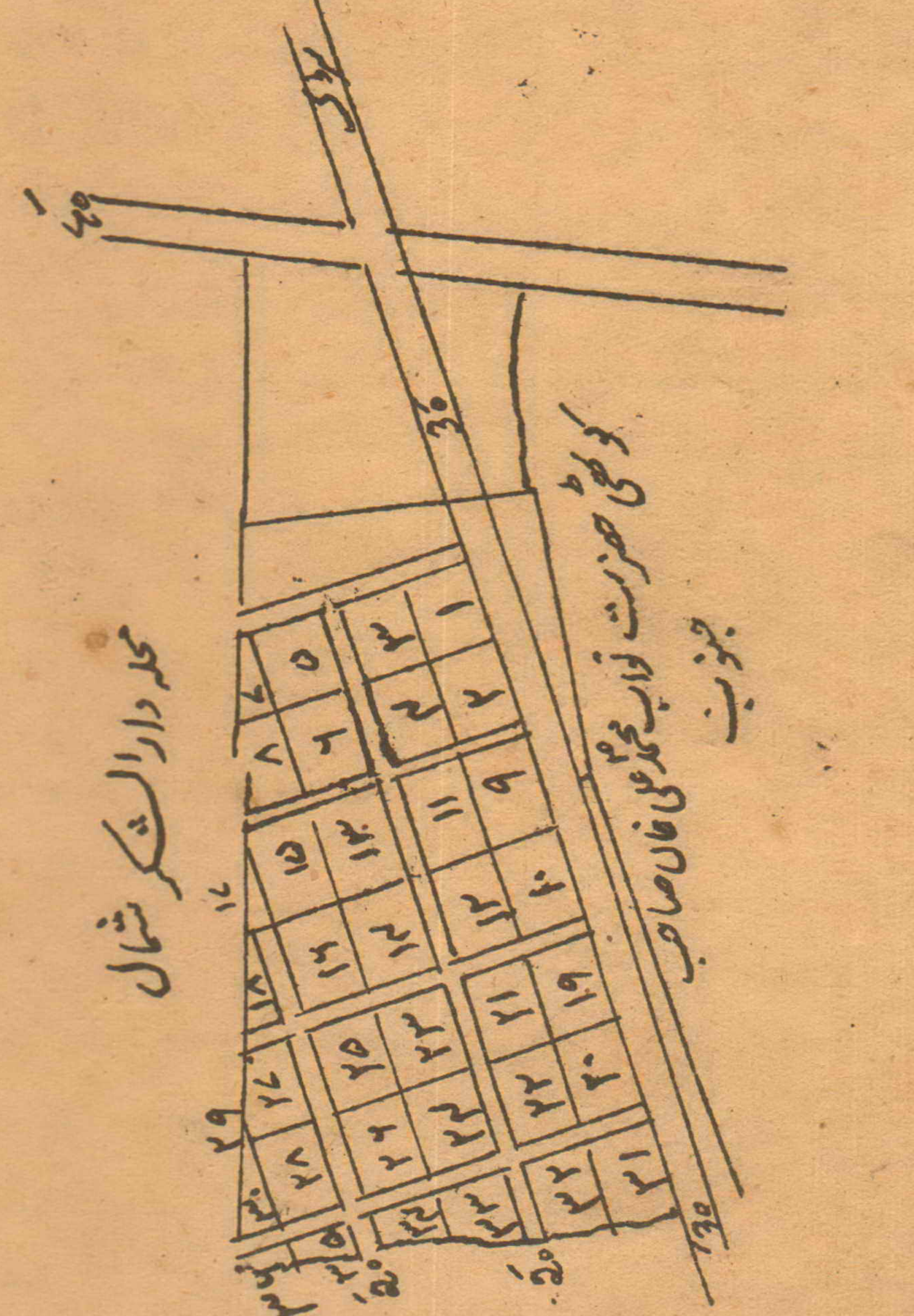

(۲) محلہ دارالفضل غربی میں ایک قطعہ ۵۳ قیمت -/-/۴۰۰ روپے۔ (۳) اس کے علاوہ متفرق قطعات مختلف محلہ جات میں بھی قابل فروخت موجود ہیں۔ احباب مشاورت کے ایام میں یا قبل ازاں بذریعہ خط و کتابت فیصلہ کرسکتے ہیں۔

(مینیجر جنرل سروس کمپنی)

مرض ذیابیطس کی — زود اثر کیمیاوی دوا

الذیابیطس!

اگر خدانخواستہ آپ یا آپ کا عزیز ہمسایہ مرض ذیابیطس سلس البول بول الدم میں مبتلا ہے۔ یا کسی بچہ یا عورت کو بول فی الفراش کی شکایت ہے۔ تو الذیابیطس منگا کر قدرت خدا کا کرشمہ دیکھیے گا۔ جس کے تین ہفتہ کے استعمال سے بار بار پیشاب کا آنا پیاس کا زیادہ لگنا پانی پیتے ہی پیشاب کی حاجت ہونا۔ پیشاب میں شکر یا کسی دیگر مادہ کا خارج ہونا۔ گھٹنوں پنڈلیوں میں درد عام بدن میں خشکی وغیرہ عوارض مرض قطعی دور ہو کر گردہ و مثانہ اور جگر کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ اسکی صداقت میں صرف اس قدر تحریر کرنا کافی ہے۔ کہ اس کا نمونہ منگا کر تجربہ کیجیے گا۔ اگر چوبیس گھنٹے میں حسب تحریر دوا اپنا سحری اثر کر کے پیشاب اور پیاس کے دوروں میں بیحد کمی نہ کرے۔ تو حلفیہ تحریر کرنے پر نمونہ کی قیمت اجرت ۱۲؍ واپس کر دی جائیگی۔ قیمت ۲؍ خوراک ۲۱ یوم چھ روپیہ نمونہ صرف ۱۲؍ محصول بذمہ خریدار

بلا نشتر — **فوتہ بڑھ جانے کی اکسیر دوا** — بلا آپریشن

نشتر یا اپریشن کی تکلیف سے پہلے آپ اس دوا کو استعمال کیجیے گا۔ جو امراض فوتہ میں خواہ فوتہ میں کوئی تکلیف ہو۔ یعنی فوتہ بڑھ گیا ہو۔ چوٹ لگ گئی ہو۔ آبی ہو یا بادی۔ لحمی ہو یا ریاحی۔ آنت اترتی ہو۔ ریاح غوں غوں بولتی ہو۔ بلا تکلیف کے فائدہ ہوگا۔ ناقص مادہ پسیج پسیج کر رفع ہو جاویگا۔ غرضیکہ یہ دوا امراض فوتہ میں بیحد مفید ہے۔ سینکڑوں لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ تین دن میں یہ دوا اپنا اثر کرتی ہے۔ مگر ۷ یوم تک مسلسل دوائی کا استعمال ضروری ہے۔ ترکیب آسان ہے۔ قیمت فی پیکٹ تین روپے (تے ر) محصول ڈاک بذمہ خریدار۔ نقالوں سے ہوشیار رہیے گا۔ کیونکہ سوائے یہاں کے اور جگہ نہیں مل سکتی ہے۔ برسوں سے لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ دیگر امراض مخصوصہ خواہ عورتوں کو ہو۔ یا مردوں کو خطوط کے ذریعہ بیحد مجرب دوا ارسال ہوگی۔

پتہ:۔ مطب حکیم ظہیر الحسن میونسپل کمشنر ہتھرا (یو۔پی)

قیمت فی تولہ دو روپیہ — قیمت چھ ماشہ ایک روپیہ

سرمہ نور رجسٹرڈ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

قادیان کا قدیمی مشہور عالم اور بینظیر تحفہ

حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ کا نسخہ اور حضور ہی کے مبارک اور بابرکت نام سے والبستہ اطبّاء۔ ڈاکٹر۔ رؤسا۔ امراء۔ عوام الناس۔ اور قادیان کی بزرگ ہستیوں کو گرویدہ اور گاہکوں کو مجسم اشتہار بنا رہا ہے۔

ضعف بصر۔ ککرے۔ دھند۔ غبار۔ جالا۔ پھولا۔ پڑبال
اندھرا آنا۔ ناخنہ۔ خارش۔ پانی بہنا۔ سرخی وغیرہ

اور جملہ امراض چشم میں تاثیر اور فوائد کے لحاظ سے اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ نظر کو بڑھاپے تک قائم رکھنے میں بے نظیر ثابت ہو چکا ہے۔

موتی منجن پائیوریا اور گوشت خورہ کے لئے تریاق ہے۔ منہ خوشبودار۔ دانتوں کو مضبوط۔ چمکدار۔ کیڑوں کا قاتل۔ غرض کل امراض دندان کا حکمی بینظیر علاج ہے۔ قیمت شیشی اونس چھ آنے

اکسیر طحال تلی کا درد۔ سوزش۔ ورم۔ چہرہ و جسم کی زردی۔ قبض بھوک کی کمی۔ بخار کے لئے نہایت مفید ثابت ہو چکی ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ۔ (عہ ر)

جوارش عنبری قیمتی و ہر دلعزیز اجزاء کا بینظیر مرکب۔ خون بڑھانے والا۔ حافظہ و اعضاء رئیسہ کو درست۔ دماغی محنت جسمانی تکان۔ بے حسی اور غشی میں اسکی ایک ہی خوراک چست و توانا بنا دیتی ہے۔ ہر موسم ہر مزاج میں عورتوں۔ مردوں سب کے لئے یکساں مفید ہے۔ قیمت فی شیشی پانچ تولہ چار روپے۔

سیلان الرحم مستورات کی سفید رطوبت کے اخراج اور اس سے پیدا شدہ نقص اور ہر قسم کی کمزوری کو دور کرنے میں شرطیہ اکسیر ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ۔

اکسیر النساء ماہواری ایام کا کم یا زیادہ آنا ٹھیک وقت پر نہ آنا۔ درد یا تکلیف سے آنا۔ قبض۔ اختناق الرحم اپھارہ وغیرہ کے لئے اکسیر ہے۔ قیمت فی شیشی صرف ایک روپیہ۔

کشتہ فولاد مہینوں کی محنت طبی اصول کے مطابق کیمیائی طریق سے تیار کیا جاتا ہے۔ کمی خون اعضاء رئیسہ کی ہر قسم کی کمزوری کے لئے شرطیہ بیحد مفید ثابت ہو چکا ہے۔ عورتوں مردوں سب کے لئے یکساں مفید ہے۔ قیمت فی تولہ پانچ روپیہ فی ماشہ آٹھ آنہ

افروز ملائی۔ کانٹوں والا پھوڑا شرطیہ بغیر اپریشن نابود۔ داد۔ چنبل۔ خارش اور ہر قسم کے زخموں کا تریاق ہے۔ قیمت شیشی ایک اونس بارہ آنہ نصف اونس۔ سات آنے۔

ست سلاجیت تمام حکماء کا متفقہ قول ہے۔ کہ سلاجیت روح۔ دل۔ دماغ۔ گردہ۔ غرض اعضاء رئیسہ و کمزور اور شکستہ ہڈیوں کے لئے یقیناً مفید ہے۔ قیمت اصلی ست سلاجیت فی تولہ آٹھ آنہ۔ فی چھٹانک دو روپیہ۔

اکسیر گردہ متواتر استعمال سے بفضل خدا درد گردہ کو ہمیشہ کے لئے آرام آجاتا ہے۔ پتھری و ریگ مثانہ کے لئے بھی مفید ہے۔ قیمت فی شیشی نو آنے۔

بچوں کا شربت بدہضمی۔ پیچش۔ قبض سوکھا۔ دانت نکلنے کی تکلیف۔ بچوں کو خوبصورت بنا کر وزن بھی بڑھاتا ہے قیمت فی شیشی چار اونس بارہ آنہ دو اونس سات آنہ

قبض کشاء بلا تکلیف و بدمزگی قبض رفع ہو کر دائمی قبض بھی نہیں رہتی۔ قیمت پچاس گولی آٹھ آنہ

نوٹ: منی آرڈر یا ٹکٹ بھیج کر آرڈر دینے والوں کو محصولڈاک کی بچت ہوگی۔

ملنے کا پتہ

شفاخانہ رفیق حیات متصل منارۃ المسیح قادیان (پنجاب)

اللہ بخش سٹیم پریس قادیان میں باہتمام مولوی عطاء اللہ ... فاضل پرنٹر کے چھپوا کر ... قاسم علی ایڈیٹر و پبلشر نے فاروق منزل قادیان سے شائع کیا